نازیہ رزاق

مکمل ناول

تیز دھوپ میں بادلوں کا چھپ دکھلانا موسم میں ایسی روانی پہلے تو کبھی نہ تھی۔ آج ایسا کیا ہوا کہ بادل بن بلائے ہی "رحمت" برسانے آگئے۔ کیونکہ آج ہی وہ آپا جی اور بڑی مامی سے نظر بچا کر اپنی بچپن کی سکھی گلشن سے ملنے اور اسے اپنی گلابی قمیص پہ سیاہ پھول کاڑھنے کو دینے آئی تھی کہ گلشن کی ماں نے "مینہ آگیا" کا ہوٹر بجاتے ہی چارپائیاں برآمدوں میں گھسنا شروع کردیں۔ بدمزہ سا شربت جنت کے حلق میں [illegible] کر پھنس گیا۔

"میں تے گئی۔" وہ سر پر ہاتھ مار، باہر کو دوڑی۔ تو گلشن چیخی۔

"جنت بچ کے۔۔ طفیل بھٹی کا کتا۔۔" وہ سرپٹ دہلیز پار کر گئی۔

٭ ٭ ٭

مارچ کی ابتدائی تاریخیں چل رہی تھیں۔ موسم کسی شوخ حسینہ کے لبادے جیسا گھڑی گھڑی رنگ بدل رہا تھا۔ وہ کئی مہینوں بعد اس جانب آیا تھا۔ وجہ اکلوتی پھوپھی "صاحب جان" سے ملاقات تھی جو فالج کے باعث گاؤں کے دورے سرے پر واقع اس پتھریلی حویلی میں جانے سے معذور تھیں جہاں ان کا بچپن اور جوانی کا بیشتر حصہ گزرا۔ وہ مہینوں ادھر کا رخ نہ کرتا یہاں تک کہ صاحب جان اسے دیکھنے کو ترس جاتیں۔ ہر آتے جاتے کو سندیسے دینے لگتیں، مگر وہ ان گلیوں سے باغی تھا۔ ویسے بھی ان گلیوں میں "موت" پہرے پر بیٹھی اونگھتی رہتی، ہر آہٹ پہ چوکنا ہو کے جھپٹتی۔

وہ اپنی رائفل کو کندھے پر اعزاز کی طرح ٹانگے، بالوں میں ہاتھ چلاتا، تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا۔ سکھوں کے وقت سے قائم یہ گاؤں ابھی تک رام پور کے نام سے جانا جاتا۔ اونچے دالانوں اور محرابوں والی پختہ حویلیاں، اونچے مکانات، چوراہوں میں جگہ جگہ بدھا کی مورتیوں کے لیے بنے سنگھاسن۔ ہر نکڑ پر دیواروں میں بنائے گئے محرابی خانے اور ان کے اندر پڑے بوسیدہ سنگی دیے۔ گاؤں کے سرے پر بنا چوپال اور قبرستان کو جاتے راستے پر موجود وہ برگد جو صدیوں سے یوں ہی چپ چاپ دم سادھے کھڑا ہر فانی شخص کو کندھوں پر رخصت ہوتے دیکھتا۔

وہ رک کے آسمان تکنے لگا جہاں بادل برسنے کو تیار کھڑا تھا۔ وہ چوکنا ہوا۔ گلی میں بے ہنگم قدموں کی تال پیدا ہوئی۔ وہ اپنی رائفل کو کندھے سے اتار کر سیدھے رخ کرتے ہوئے، دبے پاؤں گلی میں گھسا۔ نیم تاریک گلی سنسان سی تھی۔ بس پازیب کی ہلکی سی چھن چھن۔۔۔ اس نے گھوڑا چڑھایا۔ انگلی ٹریگر پر متوازن کی۔ نال سے چمٹی آنکھ کو سیاہ چادر کا پلو نظر آیا۔ وہ سیدھا ہوا۔ بادل زور سے گرجا۔ سیاہ چادر اب پوری رفتار سے اس کی جانب بڑھی تو۔۔۔ کیا وہ لڑکی ہے؟ ہاں وہ لڑکی ہی تھی جو بھاگتی ہوئی اس کی طرف آ رہی تھی۔

وہ اس کی جانب آئی اور پازیب کی چھن چھن کرتے ہوئے آگے گزر گئی۔ وہ اس افراتفری پر حیران ہوتا مڑ کے دیکھنے لگا۔ وہ لڑکی "پکی حویلی" کی بیرونی دیواروں میں بنے خالی حصوں میں ایک کی طرف مڑ گئی تو وہ سیدھا ہوا اور۔۔۔ طفیل بھٹی کا کتا پورے "رام پور" کی تیزی لیے اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔ وہ لمحہ ضائع کیے بنا مڑا اور بھاگنے لگا۔ بادلوں نے شاباشی دینے کے لیے دریاؤں سا پانی بہانا شروع کر دیا۔ وہ گرتا پڑتا "پکی حویلی" کی بیرونی دیوار میں بنے خالی حصے میں جا چھپا۔ کتا سیدھی گلی میں دیوانوں سا بھونکتا، بھاگتا رہا۔ وہ گھٹنوں کے بل جھکا، سانس درست کی۔ اٹھا تو نظر سامنے کھڑی سیاہ چادر میں لپٹی کینہ توز نظروں سے گھورتی لڑکی پر پڑی۔

"ایویں خوامخواہ کا ڈر۔۔۔ بھٹی کا کتا بس گرجتا ہے، برستا نہیں۔" خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا وہ اپنی "عریاں" ہوئی مردانگی پر لفظوں کی چادر بچھانے لگا۔ وہ طنزاً مسکرائی۔

"گھبرا مت۔۔۔ میرے علاوہ کسی نے نہیں دیکھا۔ ویسے! اس رائفل سے رنگ برنگا پانی نکلتا ہوگا ناں۔۔۔ میرے بھتیجے کے پاس بھی ہے۔۔۔ یہ کھلونا۔" وہ راج ہنس سی گردن اٹھائے مڑی۔ ہواؤں نے اپنی رتھ کو ایڑھ لگائی اور ہر رفتار کو مات ہوئی۔ سیاہ چادر سر سے ڈھک گئی۔ کچھ پیتل سا چمکا تھا۔ سونے سا سنہری۔ وہ اپنی آستین موڑتا ساکت ہوا جب کہ وہ محتاط۔۔۔ رفت نے اپنی ہنسی میں کسی نئے سر کا اضافہ کیا۔ وہ تیزی سے اس غار نما حجرے سے خود کو جدا کرتی گئی۔ اس کی پازیب کی چھن چھن میں کسی دور دراز کی چراگاہ میں چارہ کاٹتی درانتی سے سبزے میں لہر پیدا کرتی دوشیزہ کے رسیلے لوک گانے جیسی الف لیلوی داستان چھپی تھی۔ رفت نے کسی سامع کی طرح اپنی سماعت اس داستان کی طرف موڑ دی۔

☆ ☆ ☆

Scanned with CamScanner

"میاں جی میں لج اک گل بتاواں، یہ خانوں کا موسیٰ مرے گا میرے ہاتھ سے۔ کل پھر اس نے چندو کو لوہے کی زنجیروں سے مارا ہے اور مجھے قسم ہے آپ کی پگڑی کی۔ وہ مجھے کہیں مل گیا تو پھر خان ڈھونڈتے ہی رہیں گے اسے۔ میں نے اس کی ناک اپنے ہاتھوں سے نہ کاٹی تے کی کہنا۔"

طارق چوہدری کی آواز ساری حویلی کے کونے چھانتی پھر رہی تھی۔ وہ آپا جی کے کمرے میں کھڑے اس غیظ سے بولتا کہ حویلی میں موجود ہر نفس اس کی آواز کے غضب کو پہنچ جاتا۔ کھلی راہداریوں سے پرے قدرے الگ تھلگ صحن کے حصے میں جسے اس پیپل کے نیچے جھولے کے گرد جمع سب لڑکیوں نے اس آواز اور تقریری انداز کو سنتے ہی عجب کڑوے سے منہ بنالیے۔

"خدا کی مار۔۔۔ اس موسیٰ کے ذکر سے جانے کب جان چھوٹے گی ہماری سماعتوں کی۔" سب کی خاموشی کے برعکس شیریں نے تلخی سے تبصرہ کیا۔ جنت نے آہستہ ہوتے جھولے کو پاؤں کے دباؤ سے ذرا تیز کیا اور ہاتھ میں پکڑا بھٹہ کھانے لگی۔ اپریل کے دنوں میں ٹھنڈی ہوائیں چلتی تھیں تو وہ دونوں شاد رہتیں۔ مطمئن، اپنے آپ میں مگن، مگر جیسے ہی لو چلنا شروع ہوتی تو وہ بھی ہر وقت تپی رہتی۔ آج کل اس کی خوشی کے دن چل رہے تھے۔ پیپل کی جانے کس شاخ پر بیٹھی، پتوں میں چھپی کوئل کوک رہی تھی۔ وہ سر اٹھا کر دیکھنے لگی۔ گلہریاں پیپل سے حویلی کی منڈیروں کو پھلانگ رہی تھیں۔ لڑکیاں جوش و خروش سے موسیٰ خان کے لتے لے رہی تھیں۔ وہ بدمزہ ہو کے اٹھ آئی۔ ویسے بھی اس کی ہمزاد تو وہاں تھی ہی نہیں۔

"میرا شیر پتر کتھے گھوم رہا ہے؟ ہیں۔۔۔"

میاں جی نے اس کا نیلا آنچل دیکھتے ہی اپنی باہنیں وا کردیں تو وہ جوتی گھسیٹتی آپا جی کے کمرے میں آئی۔ اب میاں جی سے لپٹ کر بیٹھی تھی اور ممانیاں بات بہ بات کمرے کے چکر کاٹ رہی تھیں کہ ادھر اس کے منہ سے کچھ نکلا اور ادھر ان کی شامت آئی۔

طارق، موسیٰ کو بھولے، اپنی سرخ آنکھیں اس پر گاڑے بیٹھا تھا۔ اس نے میاں جی سے نظر بچا کر اس کو منہ بھی چڑایا، مگر وہ ویسا ہی مطمئن بیٹھا رہا تو وہ اکتا کر اٹھ آئی۔ اب آخری ٹھکانہ چھت پر ہی تھا۔ اس نے اپنی کتاب اور پانی کا بڑا کٹورا لیا اور چھت پر آگئی۔

نیلمل کونے میں پیپل کے سائے میں بیٹھی رٹے لگا رہی تھی۔ اس نے کٹورا منڈیر پر رکھا اور دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی بیرونی باڑ کی جانب آئی۔ ساتھ والے گھر میں جھانک کر دیکھا۔ سارے میں خاموشی چھائی تھی۔ البتہ چھت پر بیٹھا گڈو کنچے کھیل رہا تھا۔

"یہ دشمنیاں بھی ناں۔۔۔ بچپن تمام کردیتی ہیں۔" وہ سر جھٹک کے **نیلمل** کے پاس چلی آئی۔ ابھی اسے کتاب کھولے کچھ دیر ہی گزری تھی کہ منڈیر پر گڈو کا سر نظر آیا۔

"جنت باجی۔۔۔ جنت باجی۔ ادھر آ، اک گل کرنی ہے۔" وہ سستی سے اٹھی۔

"کیا ہے؟"

"غضب ہوگیا جنت باجی۔ رام پور وچ قیامت آنے والی ہے۔"

"مت منہ مار۔ گل بتا۔"

"ادھر دیکھو۔" گڈو نے سر کے اشارے سے اپنے

گھر سے اگلے گھر کی چھت کی جانب اشارہ کیا۔ جنت نے لاپروائی سے دیکھا۔

"ارے یہ تو وہی ہے۔۔۔ ہاہاہا تجھے پتا ہے اس دن طفیل بھٹی کے کتے نے اس گھبرو کی کیسی دوڑ لگوائی۔۔۔ توبہ ایسی بزدلی۔ ویسے یہ ہے کون؟ صاحب جان کا کیا لگتا ہے؟" وہ آنکھیں سکیڑ کے منڈیر پر کہنیاں جمائے' سیاہ لباس میں ملبوس اس شان دار سے لڑکے کو دیکھ رہی تھی۔

"موسیٰ خان ہے۔۔۔ صاحب جان کا بھتیجا۔ تیرا بڑا پوچھ رہا تھا۔ وہ تو میں ہی اس کا شیدائی ہوں اور کوئی ہوناں تے اس بات پر تین چار قتل تو ہو ہی چکے ہوتے۔"

"یہ۔۔۔ یہ ہے موسیٰ خان؟" اس نے بے یقینی سے پوچھا۔ آنکھیں بھی پھیلائیں۔

"ہاں ناں۔۔۔ جنت باجی تو کہاں ملی تھی اسے؟" جنت ہنسنے لگی۔

"یہ ہے موسیٰ' جس نے ہمارے شیروں کو شکار بھلایا ہوا ہے۔ ارے یہ تو طفیل کے کتے سے ڈر کے وہ بھاگا کہ مینوں وی شرم آگئی۔"

"سارا پنڈ جانتا ہے کہ موسیٰ اگر کسی سے ڈرتا ہے تے وہ طفیل دا کتا ہی ہے۔ تسی بتاؤ اسے کیا کہوں۔" تیرا سالہ گڈو جھنجلا کے بولا۔

"کیا کہتا ہے؟"

"پہلے پوچھ رہا تھا کہ یہ تمہارے کس مامے کی بیٹی ہے۔ میں بولا خالہ ثریا کی ہے۔ خالہ جی کے فوت ہونے پر ناناجی ادھر ہی لے آئے تھے۔ پھر بولا نام بتا۔ میں بولا جنت فاطمہ۔۔۔ کہنے لگا جنت فاطمہ سے کہنا خان زادہ' وراثم۔ اب بول اسے کیا کہوں۔"

"تو نے اسے کیا بولنا ہے' پہلے تو میں تجھے بولتی ہوں۔۔۔ او بے غیرت۔ شرم نہیں آئی بہن کو دشمن کا پیغام لاکے دیتے ہوئے اور اسے بھی جاکے کہہ دے کہ اس نے جو بھی مجھے کہا ہے اس کا بدلہ میرے بھائی جلد ہی چکائیں گے۔ ہونہہ' کسی کی ماں بہن کو گالی دیتے شرم نئیں آتی۔ صاحب جان کی چھت پر ناں ہوتا تو اب تک کفن میں لپٹا' چارپائی پر پڑا ہوتا۔"

وہ جوش میں اتنا اونچا تو ضرور بولی کہ وہ بہ آسانی سن لے۔۔۔ اور اس نے سن بھی لیا۔ سر جھٹک کے مسکرایا بھی۔ گڈو نے شرمندہ سا ہو کر موسیٰ کو دیکھا۔ نہلماں جلدی سے اٹھ کر آئی۔ پھر موسیٰ کو دیکھتے ہی زرد پڑتے رنگ کے ساتھ اسے نیچے لے جانے لگی۔ گڈو نے زبان بند رکھنے کی قسم کھائی اور ان دونوں تے کسی کو نہ بتانے کی۔ آٹا پیسنے والی چکی کی مخصوص ٹک ٹک نے برگد پر بیٹھے بگلوں کی قطار کے ساتھ مل کر ایک ساز طرب بجایا اور وہ دونوں ایک دوسرے کو شرربار سا دیکھتے ہوئے مخالف سمتوں کو چل دیے۔

☆ ☆ ☆

"او جگا ماریا۔۔۔
او جگا ماریا بوڑھ دی چھاویں
تے نو من ریت بھج گئی جگیا
او تر پردیس گئیوں۔۔۔"

چاچے اسماعیل کی آواز اس کچی سڑک سے اٹھنے والی مٹی کے دوش پر سارے میں پھیل رہی تھی۔ چاچا تان لگاتا تو ساتھ میں گھوڑے کی باگ کو ڈھیلا کرکے جھٹکا دیتا اور گھوڑا تانگے کو کھینچتا ہوا منزل کی طرف بڑھتا رہتا۔ وہ مٹی سے بچنے کے لیے ناک تک سیاہ چادر کھینچ کے بیٹھی تھی۔ ماتھے پر آیا پسینہ صاف کرکے چاچے سے بولی۔

"چاچا جی۔۔۔ آج ہمیں مشرقی دروازے سے حویلی لے کر جاؤ۔ ان لوگوں کا تو بچپن یہیں گزرا ہے' مگر میں تے کبھی اس طرف گئی بھی نئیں۔" جنت کے کہنے پر سب لڑکیوں نے اسے ایسے دیکھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔ رام پور کے دو دروازے تھے' مشرقی اور غربی۔ غربی جانب چوہدریوں کی حویلی اور گھاٹ تھی جب کہ مشرقی جانب خانوں کی حویلی تھی۔ اسماعیل چاچا انہیں غربی دروازے سے ہی کالج لاتے لے جاتے تھے جو کہ قریبی حصے میں تھا۔

"نہ۔۔۔ نہ دھیئے' یہ گل نہ کرنا۔ زہر بھلاویں چنگی ہی

Scanned with CamScanner

کیوں نہ ہووے' او زہر ہی ہوندا اے تے بے وقوفی بھاویں اک لمحے ہی دی ہووے او کسی دی گل دا نتیجہ بدل سکدی اے۔ میں اج تم لوگوں کو ادھر لے جاوں تے کل کو چوہدریوں کو کیا منہ دکھاوں۔ چوہدری ظفر تے میری سنگی (گردن) تے نوں (ناخن) رکھ کے تم لوگوں کو میرے نال بھیجتا ہے۔"

"اوہو چاچا جی۔ اتنی دوپہر کو چوپال خالی پڑا ہوگا تے گلیاں وی۔ تسی سانوں لے جاؤ ظفر باء جی سے گل میں خود کرلوں گی۔ شیریں تو بھی کہہ دے ناں۔" وہ شیریں سے بولی۔ لہجے میں ازلی تمکنت تھی۔ جانے کیوں آج دل کر رہا تھا کہ وہ اس خوب صورت تصویر کو دوسرے رخ سے بھی دیکھے۔ چاچا اسماعیل نے گھوڑے کو ہنٹر لگایا اور وہ سرپٹ مشرقی دروازے کو مڑ گیا۔ اب سب لڑکیاں دل و جان سے متوجہ ہوئیں۔

چوپال واقعی خالی پڑا تھا۔ چاچے کی کچھ سانس بحال ہوئی۔ وہ ہلکی رفتار سے آگے چلا رہا تھا۔ نیلماں' شیریں اور بشریٰ یاد کر رہی تھیں۔

"وہ دیکھو کتنا بڑا ہوگیا۔ وہ دیکھو کتنا بدرنگ ہوگیا؟" جیسی یادیں۔

"او پیری پینداں بابو جی۔ اج اے شاہی سواری ایدھر آئی اے۔ خیر تے ہے بابا جی۔" چائے خانے کے چھپر کے بانس سے تقریباً" جھولتا ہرمن سنگھ' اسماعیل کو دیکھتے ہی للکار کے بولا۔ چاچے اسماعیل کے ہاتھ کپکپائے' ماتھے تک ہاتھ لے جاکر سلام کیا۔ پشت کیے' چائے پیتے موسیٰ نے ذرا کی ذرا گردن گھما کے دیکھی۔ چائے خانے میں بجنے والا پشتو گانا کہیں دور سے مدھم سی' کان پڑی آواز جیسا لگنے لگا۔ وہ اٹھا۔ شیریں نے سہم کر چاچے کی قمیص کا دامن پیچھے سے پکڑ لیا۔

"تانگہ روک ذرا!" وہ آستین چڑھاتا' تانگے تک آیا۔ کوئی اندھا بھی ہوتا تو جنت پر نیزے سی گڑی اس کی نظروں کی نوک جانچ لیتا۔

"چاچا تانگہ مت روکنا۔" جنت نے نیلماں کے کہنی دبانے کے باوجود تمکنت و تحکم سے کہہ ڈالا۔ وہ بے ساختہ مسکرایا۔

"تانگہ نہ روکنے کا مطلب جانتا ہے؟" چاچے کے پسینے سے قمیص رنگ بدل گئی۔

"اگر روک ڈالا تو چھوٹی موٹی تے میں خود اٹھا ڈالوں۔" وہ آنکھ نہ جھپکتی تھی۔ مقابلے کی ٹھنی ہوئی تھی۔ ہرمن سنگھ کا "نمک" جوش مارنے لگا۔

"اے۔ بی بی۔" وہ انگلی اٹھا کر بولنے لگا۔

"تو چپ رہ۔ میں کیموں کے منہ نئیں لگتی اور یہ انگلی بھی نیچے رکھ ورنہ ساری زندگی چار انگلیوں سے گزارہ کرنا پڑے گا۔ تو چل چاچا۔" موسیٰ کا قہقہہ درختوں میں چھپے پرندے اڑا دینے والا تھا۔

"خان ذا' زار شم بی بی۔ خان ذا' زار شم۔" وہ ہاتھ سے جانے کا اشارہ کرنے لگا۔ تانگہ آگے بڑھا۔ جنت نے مڑ کر دیکھا' وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر ذرا سا جھکا۔ وہ سیدھی ہوئی۔ مسکرا کے۔ لڑکیوں سے رازداری کے وعدے لے رہی تھی۔ یہ لڑکیوں کے "راز" بھی ناں۔

☼ ☼ ☼

آم کے باغ میں درختوں پر آیا بور اب چھوٹی چھوٹی کچی کیریوں میں بدل رہا تھا۔ فضا بھی ترش ہوئی تھی۔ کوئل کسی ریکارڈ کی طرح سارا سارا دن کوکتے نہ تھکتی۔ باغوں کے رکھوالے آوازیں لگاتے۔ ہن چھ' ہن چھ۔ ہررررر۔ ہررررر۔ بچوں کے گال اور ٹھوڑیاں کچے آم کا پانی لگنے سے داغ دار ہو رہی تھیں اور لڑکیوں کی اوڑھنیاں سبز ہی نظر آتیں۔ وہ صبح سے باغ میں جانے کو مچل رہی تھی۔ میاں جی نے روک دیا تو اس بات پر اڑ گئی۔ "آج جاؤں گی ورنہ کچھ نہ کھاؤں گی۔" سہ پہر کو طارق ڈیرے سے آیا' ستون سے ٹیک لگائے' منہ پھلائے اسے بیٹھے دیکھا تو گاڑی نکال لایا۔ لڑکیوں نے جوتیاں پھینک' کھسے پھنسا پجارو میں خود کو بھر لیا۔ وہ کلثوم کے ہاتھ میں ٹوکری پکڑا کے اس سے آگے آگے نکل رہی تھی جب پھاٹک پر گڈو مل گیا۔

Scanned with CamScanner

"وہ کہتا ہے مجھ سے مل۔" وہ رو دینے کو تھا۔
"تو کیا بولا اسے؟" اس نے دماغ میں بھڑ بھڑ جلتی آگ کو منہ کا راستہ دکھایا۔
"میں شیدائی ہوں اس کا۔ کسی کو بتایا تے وہ بھی مارا جائے گا اور تو بھی۔"
"اس سے کہنا میں دشمن کی لاش بھی پھلانگ کے نہ گزروں کجا کہ اس کے ساتھ قبر ہی بنالوں۔" وہ چٹیا لہراتی آگے بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

دل دریا سمندروں ڈونگے
تے کون دلاں دیاں جانے۔ ہو

آج باغ سے پھل اتر رہا تھا۔ مزارعے بھاگم بھاگ پھل اتار اور سمیٹ رہے تھے۔ میاں جی نے جنت کے کہنے پر تین درخت لڑکیوں کو دے رکھے تھے۔ آج وہ کنیزوں کے ساتھ اپنے درخت دیکھ رہی تھیں۔ جنت پریشان نہیں، مگر الجھی ہوئی تھی۔ موئی نے گڈو کو پریشان کر رکھا تھا۔ وہ ہر دوسرے دن رو تا ہوا اس کا کوئی پیغام لے آتا۔ جنت اب پھٹ پڑنے کے قریب تھی۔ نیلماں سدا کی ڈرپوک۔ وہ اسے خاموشی کے اسباق پڑھاتی رہتی جب کہ وہ اڑیل چودھرائن تھی۔ جو کہہ دیتی پھر اس کے واسطے سوئی کے ناکے سے بھی گزر جاتی۔

وہ ننگے پاؤں چلتے ہوئے باغ کے آخری کونے تک چلی آئی۔ آگے پکا نالہ تھا، پھر خانوں کا لیموں اور مالٹوں کا باغ۔ وہ آم کے درخت کا گھوم کر جائزہ لے رہی تھی جب کوئی شے ٹھک سے کمر پر لگی۔ وہ طیش سے مڑی۔ وہ ابن ڈھیٹ ایک لیموں کے پودے کے پاس پشت پر بازو باندھے مسکرا رہا تھا۔
"تو چاہتا کیا ہے؟" وہ سیاہ چادر کو گال پہ پھیلا کر پھنکاری۔
"تو کیا سننا چاہتی ہے؟" وہ گھوری، وہ مسکرایا۔
"اگر تو یہ سمجھتی ہے کہ میں مرمٹا ہوں تجھ پر۔۔۔ تو اپنی یہ غلط فہمی دور کرلے۔۔۔ میں تو بس یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس سیاہ چادر کے پیچھے سونے سا کیا چمکتا ہے۔" وہ ہنوز مسکرا رہا تھا۔
"تو مرے گا۔" نجانے یہ تبصرہ تھا یا ڈراوا۔
"لے پھر۔۔۔ میں مرگیا۔" وہ رکی۔ پھر تیزی سے پلٹی۔ کچھ دیر اور رکتی تو "دشمن" کی جیت یقینی تھی۔ ایک کانٹا ایڑی میں گھستا اس کی راہ روک گیا۔ وہ کراہ کے نیچے بیٹھی۔ وہ لمحوں میں نالے کے اس پار آیا تھا۔ اس جگہ جہاں گائے بھینس پھس جانے پر تین چار قتل ہوجائیں۔ گھٹنوں کے بل بیٹھ کے اس کا کانٹا کھینچا۔
"یا تو تو پیدائشی سر پھرا ہے یا خودکشی کا ارادہ کیے بیٹھا ہے۔" وہ کہے بنا نہ رہ سکی۔
"تجھے کیا لگتا ہے؟" وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔ نگاہیں اس پر جمی تھیں۔
"اگلی جمعرات ہجویری شاہ کا میلہ ہے۔ سارے چوہدریوں کے سامنے آکے ہری کانچ کی چوڑیاں مجھے دے جا۔۔۔ جہاں بلائے گا آؤں گی۔۔۔ میں وی تے دیکھوں، اس برف کی دھرتی پر سورج چمکتا کیسا لگتا ہے۔"
"لے پھر۔۔۔ بچالے چوہدریوں کو اب۔"
"نہ تیرا خون نکلے، نہ ان کا۔" اس کی مسکراہٹ سمٹی۔
"بڑی کم قیمت لگائی اپنے پانچ منٹ کی۔"
"کسی جان کو تلوار کی نوک پر سجادیا ہے اپنے پندرہ منٹ کے لیے۔" وہ تصحیح کرتے ہوئے مڑ گئی۔ وہ مسکرا کر اڑتا ہوا نالے کے دوسرے پار گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تجھے کیا لگتا ہے۔۔۔ وہ آئے گا؟" نیلماں لوگوں میں راستہ بناتی اس کے ساتھ چل رہی تھی۔ میلے میں زوروں کا رش تھا۔ آج پھر طارق ہی کام آیا تھا۔ باقی لڑکیاں ادھر ادھر گھوم رہی تھیں۔ ان کے ساتھ گڈو اور ظفر بھائی کا کامی تھا۔ طارق جنت کے پیچھے پیچھے تھا، ساتھ چار اسلحہ بردار بھی تھے۔ نیلماں پھر اس کے کان میں گھسی۔

Scanned with CamScanner

"بتاناں۔۔۔"

"وہ مرے گا کمینہ۔" دلکش سا مسکرائی تھی۔ نیلماں نے دہل کر دیکھا۔

"تو کیا چاہتی ہے؟"

"بس اس کی سنہری آنکھوں کو قریب سے دیکھنا چاہتی ہوں۔ جانتی ہے میں نے آنکھوں کا ایسا رنگ پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ جیسے۔۔۔ جیسے پکی ہوئی گندم۔۔۔ یا پھر پیتل کا تھال۔۔۔ یا پھر۔۔۔"

"جنت۔۔۔! وہ قاتل ہے، دشمن ہے ہمارا۔ پھوپھا جی، شرجیل بھائی اور جانے کتنے مزارعے۔۔۔ تو کس راہ پر چلنا چاہ رہی ہے۔" نیلماں جیسے بے بس ہو گئی۔ وہ چپ چاپ چلتی رہی۔ ٹھیلوں پر پڑی چیزوں کو انہماک سے تکتی رہی۔

"اگر وہ آگیا۔۔۔ تو ملنے جائے گی اس سے؟"

"جاؤں گی۔" اس نے کندھے جھٹک کر کہا۔

"مطلب تو سب سوچ بیٹھی ہے۔"

"میرے سوچنے سے کچھ ہوتا تو تیرا یہ تایا زاد سرے سے غائب ہوتا۔" وہ طارق کے جلدی جلدی ان کے سر پر پہنچنے پر بولی۔ چوڑیوں کے اسٹال پر آ کے وہ رکی تھی۔ ایک لڑکا تیزی سے اس جانب آیا اور چوڑیاں دکھانے لگا۔ وہ بے توجہی سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ طارق اسے کبھی یہ دکھاتا تو کبھی وہ۔ لڑکا یکایک ایک سبز کانچ کا گچھا اس کے ہاتھ میں تقریباً" تھمائے ہوئے بولا۔

"باجی یہ دیکھیے۔ یہ رنگ تے بنا ہی تسادے ہتھ لئی ہے۔ پہن کے ناں دیکھو۔" اسی وقت ایک سفید گھوڑا ہنہناتا ہوا قریب سے لوگوں کو روندتا ہوا گزرا۔ عجب چیخ پکار مچ گئی۔ کوئی بولا۔

"اونچ کے۔۔۔ موسیٰ جان کا گھوڑا بھاگ گیا۔" وہ چونک کے پلٹی۔ وہ گولی کی رفتار سے ادھر آرہا تھا۔ دائیں جانب مڑتے مڑتے وہ ٹھک سے اس سے ٹکرایا۔ سب چونک کے دیکھنے لگے۔ وہ گھٹنوں کے بل زمین پر تھا۔ عجب افراتفری میں بولا۔

"یہ چوڑیاں آپ کی ہیں؟" اس نے جنت کے ہاتھ میں پکڑی، سبز چوڑیاں اس کے سامنے کیں۔ وہ مبہوت سی رہ گئی۔ موسیٰ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر چوڑیاں اس پر دھریں اور ویسی ہی افراتفری سے گھوڑے کے پیچھے بھاگ لیا۔ سب لمحوں میں ہوا تھا۔ سمجھ میں آنے پر وہ مسکرائی تھی۔۔۔ بے انتہا دلکش، چوڑیاں لے کر مڑی۔

"یہ کتنے کی ہیں؟"

"ہو گیا۔" لڑکے نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اس نے چوڑیاں کسی متاع کی طرح سمیٹیں اور آگے بڑھ گئی۔

☆ ☆ ☆

"جنت تو نہ جانا!" نیلماں کا دل پہاڑ چڑھتی چیونٹی کے قدموں سا ڈگمگا رہا تھا۔

"تو نہ روک نا!" جنت کا دل پہاڑ کے پار کی دنیا کو تسخیر کر لینے کے جوش میں اچھل رہا تھا۔ اس نے آنکھوں میں کاجل کی دھار پھیری اور نیم تاریکی میں اس منقش آئینے میں خود کو دیکھا۔

"ظفر پا جی کو پتا چل گیا تے چھوڑے گا نئیں کسی کو۔" جنت نے سیاہ چادر اوڑھی۔

"میں نے زبان دی تھی اسے۔" نیلماں کا بازو پکڑ کے دبے پاؤں باہر نکلی۔

"دل کے گناہ زبان پر نہ ڈال۔" پنکھوں کی کھڑکھڑاہٹ نے دبی دبی خاموشی کو ساز ہونے سے بچالیا۔ وہ پچھلے دروازے تک آئیں۔ تیرہویں کے چاند نے ہر شے پہ اپنا رنگ پھیر دیا تھا۔ سارے گاؤں میں کتے بھونکنے اور گیدڑوں کے غرانے کی آوازیں چکرا رہی تھیں۔ سوا بارہ کے قریب وہ برگد کے درخت کے پاس پہنچیں۔ قدموں کی چاپ سن کر وہ پلٹا۔ سیاہ شلوار قمیص، آستین موڑے، ماتھے کا پسینہ صاف کرتے وہ اس تک آیا۔

"بکی چوہدرائن نکلی تو۔"

"تجھے کیا لگتا تھا۔۔۔ چوہدرائن مکر جائے گی؟" وہ سیاہ چادر کا کونا دانت میں دبا کر بولی۔ وہ سر جھٹک کے مسکرایا۔

Scanned with CamScanner

"آل تا کے ناں۔" وہ برگد کے گرد بنے اینٹوں کے حصار کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"میں پنجابن ہوں خان صاحب۔"

"آل تا کے ناں مطلب ادھر بیٹھو۔" وہ وضاحت کرنے لگا وہ سنبھل کے بیٹھ گئی۔ وہ کچھ فاصلے پر بیٹھا۔

"اچھا۔ پھر زاد زار شم کا کیا مطلب ہوا؟" وہ بغور اس دیکھنے لگا۔

"بچپن میں جب کبھی میں کوہاٹ سے ادھر آتا تو صاحب جان سے کہانیاں سنتا کیونکہ مورے (میری ماں) ہم بہن بھائیوں کو صرف حدیث سناتی۔ کہانیاں صرف صاحب جان سناتی۔ ہر کہانی مجھے حیران کرتی۔ بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شہزادی برسوں سے قلعے میں جادو سے سو رہی ہے اور شہزادے کے آنے پر ہر جادو آپوں آپ ٹوٹ جاتا ہے۔ ایک دن میں نے صاحب جان سے پوچھ لیا بولی۔ ہر کہانی میں محبت ضرور ہوتی ہے۔ کسی بھی روپ میں۔ اور ہر محبت کی ایک پہیلی ضرور ہوتی ہے۔ پہیلی سمجھ لو کوئی طلسم یا منتر جو کہانی کو آگے بڑھاتا رہتا ہے۔ تو جنت فاطمہ تو سمجھ لے کہ ہماری محبت کی پہیلی اسی جملے میں ہے۔ مطلب بتا دیا تو طلسم ٹوٹ جائے گا۔"

"اگر میرا کوئی بھرا کسی خان زادی کے لیے محبت کا لفظ بولے تو کیا کرے گا۔"

"کوئی چوہدری کسی خان زادی کو اتنا چاہے تو۔ جتنا یہ خان زادہ اس چوہدرائن کو چاہتا ہے۔" جنت اس کے یقین پر برف سی ہو گئی۔ چاند نے اس گندم سی آنکھوں والے کی بلائیں لی تھیں جس نے اس منہ زور لڑکی کو چپ لگا دی تھی۔

"ویسے پکی حویلی والے محبت نہیں کرتے۔"

"پکی حویلی والے محبت کے بغیر یہاں تک چلے آئیں ہیں خود سوچ۔ محبت ہو گئی تے قیامت ہو جائے گی۔" دونوں نے کچھ لمحے رک کے اک دوجے کو دیکھا۔ آنکھوں میں "ہے اتنی ہمت" کی تحریر۔ پٹھان نے سینے میں سانس بھر کر پہل کر دی۔

"پھر کب ملے گی؟"

"شکل دیکھی ہے اپنی؟" وہ ہونہہ والے انداز میں بولی۔

"پڑھتی وڑھتی بھی ہے یا بس زبان کی دھار تیز کرتی رہتی ہے؟" وہ مسکرائی تو گویا وہ اسے جاننے جا رہا تھا۔

"کالج جاتی ہوں۔ اگلے مہینے چوداں پوری۔ تو بتا کچھ کرتا بھی ہے یا بس ہاتھ ہی چلاتا ہے غریبوں پہ۔"

"کج نئیں کرتا بس ہاتھ ہی چلاتا ہوں متکبروں پہ۔" موسیٰ کی مسکراہٹ پہ اس کا ماتھا شکن زدہ ہوا۔ غصے سے اٹھی۔

"ابھی دو منٹ ہیں تیرے پندرہ منٹ میں سے۔"

"تو تو پانچ منٹ کہہ رہا تھا اس دن۔"

"پھر کب ملے گی؟"

"چل رین دے۔ تو اور میں نئیں چل سکدے۔" وہ کہہ کر چادر درست کرنے لگی۔ کچھ سونا سا پھر چھا گیا۔ موسیٰ جواب دینا بھول گیا۔ سر اٹھائے اسے دیکھتا رہا۔ وہ مڑی تو بے چینی سے اٹھا۔ کچھ قدم پر وہ رکی۔

"پرانی حویلی میں بدھ کو ملے تو یہ سیاہ رنگ نہ چڑھانا۔ وچارے چن کی ساری محنت ضائع کر دیتا ہے۔" وہ لمحوں میں فیصلے کرتی آگے قدم بڑھا گئی اور وہ چنگیز خان کے پوتے کی نسل کا لڑکا' واپس وہیں بیٹھ گیا تھا۔ چاند اس کی مسکراہٹ پر متفکر ہوا۔

☆ ☆ ☆

پراندے کو آخری بل دے کر اس نے خراشوں سے بھرے آئینے میں خود کو دیکھا۔ جیسے کوئی صندل سے تراشی مورت البتہ چہرے پر عمر سے میل کھاتا بانکپن نہ تھا۔ اک رگڑ سی تھی۔ وقت کی' حالات کی رگڑ۔ ہونٹوں کو گلابی ڈبیہ میں لپٹے رنگ سے مزید گلابی کر کے وہ چارپائیوں کے صحن میں چلی آئی۔ ابا اپنے صافے سے ماتھا رگڑتا نیم دراز سا حقہ پی رہا تھا' اماں اپلوں کو تندور میں ترتیب سے رکھ رہی تھی۔ ابے نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بلایا۔ وہ پائنتی پہ ٹک گئی۔

Scanned with CamScanner

"کی (کیا) کہتا ہے وہ؟" ابے کا اشارہ وہ لمحوں میں سمجھی۔

"کہتا ہے میں زمین دار ہوں۔ فصل ہاتھ سے اگاتا اور ہاتھ سے کاٹتا ہوں' جو پک کے خود گر جائے اسے اپنے گودام میں نئیں رکھتا' تے دل میں کیسے رکھ سکتا ہوں۔ جس دن کوئی کھڑی فصل سی مل گئی تاں نے فیر چاہے او چوہدریوں کی کیوں نہ ہووے' اپنے ہاتھوں کاٹوں گا۔ میں وی سوچا چل کوئی گل نئیں۔ گل باز جان دیتا ہے اور رو کڑے وی نے خیر اس کریلے کو کیوں منہ لگاؤں۔"

"لے اے کی گل ہوئی۔ سارا پیسہ تے اس شیر دے دھانے وچ ہے۔ زمیناں' مرغی فارم' مچھلی فارم اور باقی سارے کاروبار سب دی کمائی اپنی جیب میں رکھتا ہے۔ او مینوں تے سب پتہ ہے۔ اک قدم پیچھے چلتا ہوں اس کے۔ تو کسی طرح اسے بلائے تاں اس محلے تو سمجھ پورا رام پور کھلائے کی قسم تاں۔" وہ باپ تھا۔ جو بیٹی کو دن بدلنے کے نسخے بتا رہا تھا۔ اس محلے کا تقریباً" ہر گھر ہی ایسے باپ بھائیوں سے بھرا تھا جو پان سگریٹ' مرغ مسلم کھاتے اپنی بیٹیوں کے بل' چوہدریوں اور خانوں کو اندر ہی اندر سے کھوکھلا کر رہے تھے۔ صندلی اٹھی۔

"ابا تو کہتا ہے تے اک واری فیر کوشش کر لیتی ہوں پر یہ موسیٰ وی تاں نک (ناک) سے نکسیر نکلوائے گا تو دیکھ لئیں۔" وہ بات مکمل کر کے دروازہ پار کر گئی۔

☼ ☼ ☼

ولایت خان بخش اور محمود اللہ چوہدری دشمنی کی وجہ بھی بھول چکے تھے مگر قتل پھر بھی ہوتے۔ جہاں جس کا وار چلتا وہ چلا جاتا پھر دوسرے کا وار چلتا تو وہ پہلے کا دوگنا ہوتا۔ نہ کسی نے گمان کیا نہ تدبیر' نگران پتھر دلوں کے درمیان ایک بنفشی پھول کھل اٹھا تھا۔ خانوں اور چوہدریوں کے دو منہ زور ہر بدھ کو پرانی حویلی میں زمین کھود کھود کر دشمنی کے بیج رام پور کی زمین کے سینے سے نکالتے۔ اگلے بدھ پھر زمین ویسے ہی بھری ہوتی مگر وہ دونوں نہ تھکتے۔ ایک دوسرے کو کاٹ کھانے کو دوڑتے' وہ دونوں بدھ کی ہر رات صرف پانچ منٹ ایک دوجے کو دیکھتے' کسی بات پہ لڑتے اور یہ جا وہ جا۔ رام پور میں کوئی نہ جانتا تھا کہ اس بار کی گندم کے ساتھ ان کے گھروں میں محبت کا اک راز بھی آیا ہے۔

آپا جی کیریوں کا اچار ڈال چکیں اور اب لیموں اور سبز مرچ کی باری تھی۔ سب ملازمائیں بھاگم بھاگ مختلف اشیاء اوپر نیچے لے جا رہی تھیں۔ آپا جی چھت پہ پیپل کے سائے کے نیچے چارپائی دھرے بیٹھی ملازموں کو ہدایات دے رہی تھیں۔ جنت آخری پیپر دے کر آئی تو کپڑے تبدیل کر کے اوپر چلی آئی۔ باقی سب لڑکیاں بھی آ گئیں۔ وہ آپا جی کی چارپائی پر لیٹ گئی۔ سکھاں اونچی آواز میں تان لگائے بیٹھی تھی' ساتھ ہی ساتھ سارے مرتبان دھوپ میں رکھ رہی تھی۔

ہو بازار روکتے دے سروے
بازاروں کے دے سروے
شاماں بیٹیاں تے مڑ آئیں گھروے
ہو اک پھل موتیے دا مار کے جگا سوہنیے

وہ جھٹکے سے اٹھی۔ بیرونی منڈیر کی طرف آئی۔ وہ صاحب جان کی چھت پر کھڑا پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ وہ مسکرائی۔ جانے دل کو کیسے پتا چل جاتا تھا اس کی آمد کا۔ موسیٰ نے اشارے سے پرچے کے متعلق پوچھا۔ اس نے ہاتھ کھڑا کیا۔ ٹھیک ہو گیا۔ پھر ہاتھ سے کہا۔ جاؤ۔ اسے ترس آیا تھا' وہ سرد علاقے کا پٹھان گرمی میں خوار ہو رہا تھا۔ وہ ہاتھ میں پکڑا بھٹا کھانے لگا۔ جانتا تھا اسے بھٹا بہت پسند ہے۔ جواباً" اس نے اپنے پیچھے اشارہ کیا پھر کانوں کو ہاتھ لگایا۔ بابا معاف کر اور جا۔ موسیٰ نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔ یعنی میں کھالوں' وہ اپنی ہنسی دبا کے سہلانے لگی۔ کبھی کبھی وہ یوں ہی محبت دکھاتا اور کبھی بے انتہا کھڑوس ہو جاتا۔ جنت کو اس کو سمجھ نہ پائی۔ ہاں جنت نے کبھی اسے رعایت نہ دی۔ کبھی میٹھا بول کے نہ دکھایا۔ پھر بھی وہ اسے چاہے جاتا۔ وہ صحیح کہتا تھا کہ چوہدری ایسی محبت کر ہی نہیں سکتا

تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ ہشاش بشاش تازہ دم ہو کے کمرے سے باہر نکلا۔ ولایت بنگش اپنے چھ بیٹوں اور چھ پوتیوں کے ہمراہ رام پور میں پتھریلی حویلی کے نام سے مشہور اس حویلی میں رہتے تھے۔ بہت بڑی حویلی کے چاروں طرف کمرے ہی کمرے تھے۔ دائیں طرف پتھر کی جالیوں سے ایک حصہ مخصوص کر کے وہاں کھلا باورچی خانہ بنایا گیا تھا۔ مردوں کے لیے لکڑی کے بڑے پڑے تھے۔ وہ آتے تو ملازمائیں وہ آگے کر دیتیں۔ کھا کے اٹھتے تو اٹھا کر برآمدوں میں سجا دیتیں۔

وہ پاؤں کی دھمک پیدا کرتا ہوا آیا اور گل شیر کے ساتھ بیٹھ گیا۔ صندلی کھانا آگے رکھنے لگی۔ سات آٹھ لڑکے بیٹھے تیز تیز پشتو میں کوئی بات کر رہے تھے۔ موسیٰ کو جلدی تھی۔ آٹھ بج گئے تھے جبکہ ساڑھے نو بجے اسے پرانی حویلی پہنچنا تھا۔ گل شیر اس کا چچا زاد تو تھا ہی مگر وہ اس کا سب سے اچھا دوست بھی تھا۔ وہ اس کی آستین کھینچ کر متوجہ کر رہا تھا۔

"تو نے وہ چوہدریوں کی لڑکی دیکھی ہے؟ جس کا ذکر ارباز کر رہا ہے۔" موسیٰ کے ہاتھ رکے۔

"نشتہ ذا' پریگدا روڑہ۔" (نہیں۔ تم چھوڑو میرے بھائی)۔ اسے سخت برا لگا تھا۔

"نہیں چھوڑتا۔ دراصل وہ ظفر چوہدری کی سب سے چھوٹی بہن ہے۔ مجھے ثریا نے بتایا۔" ابھی وہ بات کر ہی رہا تھا کہ چٹاخ کی آواز پر موسیٰ بے ساختہ اچھلا۔ اسے لگا یہ تھپڑ اسے لگا ہے مگر گلزار لالہ سرخ آنکھیں لیے گل شیر کو گریبان سے پکڑ کر اٹھا رہے تھے۔ وہاں بیٹھے سب ہی لڑکے ایک ساتھ اٹھے۔

"تیری مورے نے یہ نہیں بتایا کہ رزق کھاتے وقت رب کا نام لیتے ہیں' کفر کا ذکر نہیں کرتے' منہ پلید ہو جاتا ہے۔ پھر تو ان پلیدوں کا نام بھی کیسے لے رہا تھا رزق سامنے رکھ کے۔"

حیران سب ہوئے مگر موسیٰ کو یہ بات کوڑے کی طرح لگی۔ وہ لہولہان ہو گیا' اتنی نفرت۔ نوالہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ وہ سن سا وہیں بیٹھ گیا۔

"لوگوں کی دشمنیاں ہوتی ہوں گی مگر ہماری صرف نفرت۔ صرف نفرت۔ کوئی ان کا نام بھی نہ لے اس گھر میں۔ نام بھی نہ لے ورنہ سانس تک کے ٹکڑے کرے گا یہ بنگش اس کے۔" گلزار لالہ آگے بڑھ گئے۔ موسیٰ خان کوئی عورت ہوتا تو بین کر کر کے روتا۔ اس نے سر میں اٹھتی ٹیسوں کو آنکھیں میچ کر دبایا۔

☆ ☆ ☆

"موسیٰ۔ کیا آج پانی پہ نہیں جائے گا؟ شہبازی کو کہہ دوں۔"

"ہم م۔" وہ سر پاؤں لپیٹے' کھیس تانے سر شام ہی لیٹا تھا۔

"تو منہ کیوں چھپا رہا ہے۔ منہ تو گل شیر کو چھپانا چاہیے مگر دیکھ' وہ تو سرمد کے ساتھ مل کے گامے سے باش کی بازی لگا رہا ہے۔" گل باز نے اس بار کھینچ کر کھیس اتارا۔ موسیٰ کی نظریں گھڑی پہ ٹکیں۔ دس بج گئے تھے۔ وہ کروٹ لے کر لیٹ گیا۔ سر میں شدید درد تھا۔

"لالہ او لالہ' نشتہ ستر گئی نم (آنکھیں بند نہ کر) میری بات سن۔" جمال اس کا چھوٹا بھائی تھا جبکہ خوش حال بڑا۔ وہ منجھلا تھا۔ خوش حال کوہاٹ میں ہوتا تھا۔ وہ جنگلات کے محکمے میں اعلا عہدے پر تھا۔ گاؤں کی دشمنیوں سے دور وہ آرام سے زندگی بسر کر رہا تھا جبکہ جمال ابھی سترہویں سال میں داخل ہوا تھا۔ وہ دشمنی سے خار کھاتا تھا۔ وہ صرف پشتو فلمیں دیکھنا چاہتا تھا۔ خاص طور پر ثوبیہ خان کی۔ موسیٰ' ظہیر خان کا وہ بیٹا تھا جسے ولایت خان بنگش مرد سمجھتے اور اپنا دایاں بازو مانتے تھے۔ کچھ معاملوں میں وہ حد سے زیادہ سفاک تھا اور یہی سفاکیت اسے ولایت خان کی نظر میں ممتاز کرتی تھی۔

"کیا ہے؟" وہ کھیس کے اندر سے ہی بولا۔

"کچھ پیسہ دے۔ ام فلم دیکھے گی۔" وہ ابھی چھوٹا تھا

Scanned with CamScanner

میورے کے ساتھ رہنے کی وجہ سے زبان زیادہ پشتو ہی تھی۔

"اس وقت؟"

"زمرد اپنے پیسہ سے فلم لائی ہے ثوبیہ خان کی۔ ام سے بولی پیسہ لاؤ اور دیکھ لو۔" وہ تایا زاد زمرد لالہ کی بات کر رہا تھا۔ موسیٰ نے بے دلی سے جیب میں ہاتھ ڈالا اور جو ہاتھ لگا نکال کر اسے تھمایا۔ گل باز چہل قدمی کو نکل گیا' موسیٰ پھر سے چادر اوڑھنے لگا۔ کروٹ بدل بدل کر تھک گیا' آنکھیں میچ میچ کر بھی دیکھ لیا مگر نیند نہ آئی۔ ساڑھے گیارہ بجے ہمت جواب دے گئی۔ وہ اٹھ بیٹھا۔ بستر پر لیٹے باقی پانچوں اسے دیکھنے لگا جو تیزی سے دروازے کی طرف کو بڑھا تھا۔

"او بھائی کدھر؟" کسی نے ہانک لگائی۔

"اک کام بھول گیا تھا۔" وہ سنسان گلیوں میں بھاگتے ہوئے ایک جگہ رکا۔ دیوار میں نصب دیا اکھاڑ کر پھر سے رفتار پکڑی۔ پیپل والی گلی میں دیے کو بمشکل سنبھالتا' پرانی حویلی کی چھت تک پہنچا۔ ہر بار کی طرح ہاتھوں پر زخم آگئے۔ پاؤں کی انگلیاں مڑیں سانس پھول گئی مگر وہ پہنچ ہی گیا۔ وہ ہر بار کی طرح بوسیدہ سے گنبد پر پاؤں دھرے سمٹ کے بیٹھی تھی۔ سارے گاؤں میں ہُو کا عالم تھا۔ پیپل کے پتے کھڑی کھڑی تالیاں پیٹتے' ان دونوں کے حوصلے کو داد دیتے۔ وہ پیچھے سے دھمک پیدا کرتا ہوا آیا۔ سامنے والے گنبد پہ بیٹھ گیا۔

"بارہ تو بجے نہیں۔ چل تیرا وقت بدل دوں۔" وہ اس کے رویے کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ یوں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ پھر ہتھیلی اس کی ناک پر جمائی اور باقی پنجہ چہرے پر پھیلایا پھر ہاتھ دائیں طرف گھما دیا۔ جنت نے اس کا ہاتھ جھٹکا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں ساڑھے گیارہ بجے تک صرف تیری غیرت دیکھنے بیٹھی رہی ہوں کہ کیسے کوئی لڑکی اپنا سب کچھ داؤ پر رکھ کے یہاں تک آئے اور آگے والا اپنی اوقات ہی دکھا دے۔"

"جنت!"

"اور یہ بتانے بیٹھی تھی کہ اب کبھی ادھر آیا تے منہ توڑ دوں گی۔ اگر آج نہ بتاتی تے اگلے بدھ تو فیر آنا۔ ہن شکل غائب کر یہاں سے۔"

"بات تو سن لے۔" وہ واپس مڑی۔

"میری بات تو سن لے۔"

"دفع ہو یہاں سے۔"

"تو نہیں جانتی آج میں نے کیا محسوس کیا۔"

"مجھے کہانیاں نہ سنا۔" وہ تڑخی۔

"کہانیاں سنانے والا ہوتا ناں تو تو ابھی تک بیٹھی مجھ سے کہانیاں سن رہی ہوتی پوری بات تو سن لے۔"

"ہاں سنا۔" احسان کر ہی ڈالا۔ موسیٰ نے اسے ساری بات من و عن بتائی۔ سننے کے بعد بولی۔

"ہاں تو پھر؟" رعونت میں ذرہ بھر بھی فرق نہ آیا۔

"مجھے لگا ہم خود کو دھوکا دے رہے ہیں۔ جب یہ لوگ دلوں کو اتنا ہی تنگ کیے بیٹھے ہیں تو مجھے کوئی حق نہیں کہ تجھے بھی اپنے ساتھ گھسیٹتا پھروں۔ مجھے لگا جتنی جلدی ہو سکے میں تجھے واپس کر دوں چوہدریوں کو۔ جنت تجھے نئیں پتا مجھے کیسا لگا۔ میں مرنے کو ہو گیا۔ تو نہیں سمجھے گی۔"

"اچھا۔ تے ہن غیروں کے ڈر سے موسیٰ جنت کو چھوڑ دے گا۔" وہ پیپل کے پتوں میں آنکھیں گاڑ کے بولی۔ اسے دیکھ لیتی تو ہچکیاں گلا گھونٹ دیتیں۔ موسیٰ کیا جانے کہ جنت نے گزرے دو گھنٹے میں خود کو کیسا بنجر پایا ہے۔ موسیٰ کیا جانے کہ جنت نے انجانے خوف کو خود میں حلول ہوتے دیکھا ہے۔ موسیٰ نے تھک کر اسے دیکھا۔ کتنا کمزور ثابت ہو رہا تھا وہ اس لڑکی کے سامنے۔

"یہ لے۔ جلدی میں یہی ہاتھ لگا تو میں نے سوچا خالی ہاتھ جانے سے بہتر ہے۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا دیا اس کے سامنے کیا۔

"اگلے ہفتے کچھ اچھا لاؤں گا۔" جنت نے 'اونہہ' والے انداز میں سر جھٹکا۔ جنت نے دوپٹے کے پلو سے ایک دھاگا نکالا تھا۔

"یہ لے۔ گلشن نے آج شام ہی بنا کر بھیجا تھا۔"

Scanned with CamScanner

وہ کلائی پہ باندھنے والا خوب صورت سیاہ گندھا ہوا دھاگا تھا۔ موسیٰ پھر سے شرمندہ ہوا۔ دونوں ہر بار اک دوجے کو کچھ نہ کچھ ضرور دیتے۔ موسیٰ ہر بار ہی شرمندہ ہو تا کیونکہ جنت اس کے لیے جو بھی لاتی وہ بہترین ہوتا۔

"اچھا ایا تو یہ لے آیا میرے پرندوں کا باجرے والا اندر اکل لوٹ آیا تھا۔" موسیٰ کے گھورنے پر وہ گردن پیچھے کو دھاکا کے ہنسی اور رام پور کے ہر صحن میں دھرے چولہے نے خود کو سرد ہوتے پایا۔ موسیٰ نے دھاگا جیب میں رکھا اور دیوار سے چھلانگ لگادی۔ محبت نے آج بھی ہر فیصلہ اپنے ہی ہاتھ میں رکھا۔ بچاری تو بس عمل کرنے والوں میں سے ہوتے ہیں ناں۔

☼ ☼ ☼

"جنتے۔ منڈا واقعی چاہتا ہے تجھے۔" نیلماں نے مان ہی لیا۔ جنت نے خود میں شہد جیسی میٹھی نہریں بہتی دیکھیں۔

"محبت نہ بھی کرتا ناں نیلماں۔ جنت تے اس کے حوصلے پر مرمٹی تھی۔ بس اک گل ہے۔ وہ ہنسا نہ کرے۔ ہنستا ہے تے اندر سے کوئی زور دے کر کہتا ہے۔ تو مرے گی کمینی!" وہ دونوں ہنسیں۔ بشریٰ نے ہاتھ والا پنکھا روک کے ان کے گلنار چہرے دیکھے۔ باہر سے ظفر پاء جی کے دھاڑنے کی آواز پر وہ باہر کو دوڑیں۔ وہ سفینہ بھرجائی کی چوٹی پکڑے انہیں دائیں بائیں جھلا رہے تھے۔

"کمینی ذات۔ میرے پتر کو ہاتھ لگایا تے میں نک نہ کاٹ دوں۔" جنت کے اندر نفرت امڈی۔ ظفر پاؤ جی اپنے اکلوتے کاکی کے لیے ایسے ہی باؤلے تھے۔

☼ ☼ ☼

موسیٰ پرانی حویلی آیا کچھ مضمحل تھا۔ پرانی حویلی جنت کی پکی حویلی کا ہی ایک خستہ حصہ تھی جو کم آمدورفت کی وجہ سے پرانی حویلی کہلاتی تھی۔ پکی حویلی کی سیڑھیاں چڑھ کے اگر بائیں جاؤ تو پکی حویلی اور دائیں جاؤ تو پرانی حویلی۔ یہ اور بات کہ پرانی حویلی کا کوئی بھی رخ نہ کرتا۔

"جنت چل بھاگ چلتے ہیں۔ یہاں کچھ بھی نہیں بدلنے والا۔" جنت گنگ رہ گئی۔

"موسیٰ کیا تو میری اتنی سی عزت بھی نئیں کرتا کہ یہ گھٹیا ترین گل کرنے سے پہلے ذرا سوچ ہی لیتا۔ اتنی سی چاہ وی نئیں رکھتا میری کہ مجھے گھر میں بسانے کا سوچتا۔" موسیٰ چپ سا ہو گیا۔ تھک کے گنبد سے سر ٹکایا۔ وہ ناراضی سے پیپل کی اور دیکھتی رہی۔

"صاحب جان کہا کرتی تھیں۔ محبت بند گلیوں والا قلعہ ہے۔ ایک بار محصور ہو گئے تو پھر جتنا بھی بھاگ لو، جان انہیں دیواروں میں دینی پڑے گی۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ میں بہت سوچنے لگا ہوں۔"

"وڈا سیانا نہ بن۔ اتنا سوچتا ہو تا تے پتا ہو تا ناں کہ مینوں اس گل سے کتنی تکلیف ہووے گی۔ پر تو ناں بڑا میسنا ہے۔ تو نے سوچا من گئی تے موجاں، ادھر لے جاواں گا پٹھانوں میں کوہاٹ کی طرف، جہاں نہ بولی سمجھ میں آئے گی، نہ کھانوں کی نہ مکانوں کی۔ تے آپوں آپ مر کھپ جائے گی۔ پر میں وی چوہدرائن ہوں چوہدرائن، کوئی کمی کمین نئیں۔ تیرے سر دی قسم مرجاواں گی، اس پیپل کی طرح ہر شے سہ لوں گی مگر تیرے نال کہیں نہ جاؤں گی جب تک جنج (بارات) نہ لے کر آئے۔ ایسی جنج جو چودی (چوبیس) گاؤں دیکھیں۔ کچھ آیا سمجھ میں۔"

موسیٰ نے کانوں پر ہاتھ دھرے۔

"کتنا بولتی ہے تو۔" اسے صرف یہی بات قابل اعتراض لگی۔ جنت واقعی چپ ہو گئی۔

"میں سچی ناں بڑا بولتی ہوں ناں۔" اپنے سر پہ چپت لگائی۔

"آپا جی کہتی ہیں اگلے گھر اتنا بولی تے اگلے نے جوتا اتار لینا ہے۔ ہیں موسیٰ واقعی؟"

"بڑا ہی کوئی بدنصیب ہو گا جسے سنہری کے بجائے سرخ رنگ پسند ہو گا۔" دونوں نے اک دوجے کو دیکھا اور سچی ہنسی پیپل کو دان کر دی۔

Scanned with CamScanner

"ویسے میرے لالہ کہتے ہیں کہ عورت کو مارنے سے بہتر ہے کہ بندہ خود کو دو جوتے لگالے کیونکہ چند دن بعد بھی تو یہی کرنا ہوتا ہے۔" جنت اتنا ہنسی کہ آنکھوں میں آنسو آگئے۔ موسیٰ نے جیب سے کچھ نکال کر جنت کے سامنے کیا۔ وہ دنگ رہ گئی۔ وہ پیتل کی نفیس سی دو چوڑیاں تھیں جن پر راجستھانی کام انتہائی باریک سا تھا۔

"موسلی کی جنت۔"

"جنت کا موسی۔" جنت نے جواباً کہتے ہوئے پیپل کا پتا اس کے سامنے کیا۔ وہ مسکرایا۔ پتے پہ ان دونوں کا نام کڑھا ہوا تھا۔

"جنت پھر جیت گئی۔" جنت نے اسے گھورا۔ مگر وہ سنجیدہ تھا۔

☼ ☼ ☼

آج بدھ نہیں ہفتہ تھا۔ جب ہی موسیٰ خان کے ہر کام میں سستی بھری تھی۔ جاتی گرمیوں کے گھٹن زدہ دن تھے۔ گرمی جاتے جاتے بھی زور دکھا رہی تھی۔ وہ سکون سے مچھلی فارم گیا۔ وہاں پانی کے انتظام کے لیے لگے ٹیوب ویلوں پر نہایا۔ ملازموں سے مچھلی گھر کے لیے لی اور جیپ گاؤں کے طرف دوڑا دی۔ صندلی اپنے گھر کے دروازے کے سامنے پانی کا چھڑکاؤ کر رہی تھی۔ کیونکہ اس کا ابا شام کو یہیں استراحت فرماتا۔ اسے دیکھ کر وہ ہوا میں اچھل اچھل کر رونے لگی۔ وہ بمشکل رکا۔

"خان جی! کدی ساڈے ڈیرے وی چکر لگالیا کرو سرکار۔"

"کیوں۔۔۔؟ گل باز نئیں آتا کیا؟" تیوری چڑھا کے پوچھا۔

"آتا ہے بادشاہو۔ آتا ہے مگر دل آپ کی میزبانی چاہتا ہے، لیکن لگتا ہے کہ آپ کو کوئی چوہدرائن پسند آگئی ہے۔" موسیٰ نے کرنٹ کھا کر اسے دیکھا۔ وہ پراسرار سا مسکرائی۔ "ہرمن سنگھ۔۔۔ اگلے ہی لمحے وہ جست لگا کر جیپ سے اترا اور غرا کر صندلی کی طرف بڑھا۔ وہ خوف سے پیچھے پڑ گئی۔

"مجھے گل باز سمجھنے کی غلطی کبھی مت کرنا صندلی۔ اس بات کا طعنہ مجھے ولایت خان بنگش بھی دے ناں تو میں نمٹ لوں اس کی پوری فوج سے۔ جتنا دھندا چل رہا ہے ناں اتنا ہی چلا۔ بڑی مچھلی کی ٹوہ میں کہیں جال ہی نہ گنوا بیٹھیں۔" سارا محلہ سانس روکے دیکھتا رہا اور موسیٰ خان اپنے بھیدی ہرمن سنگھ کے سرہانے جا پہنچا۔

☼ ☼ ☼

"مجھے نئیں کھانا یہ سبز چارہ۔ کوئی ڈھنگ کا انسانوں والا کھانا پکایا کرو گھر میں۔" وہ گھر میں ساگ چکھے بنا چھوڑ آیا تھا اور جنت نے آتے ہی کٹورا سامنے کیا۔

"جنت کا موسیٰ۔" یہ ان دونوں کا دلار تھا لاڈ تھا، مگر موسیٰ ساگ دیکھ کر سانس روک گیا۔

"موسیٰ کی جنت۔" اس نے اپنے باغ کے چار کچے سنگترے اس کے سامنے کیے۔ جنت نے چٹخارہ لیا۔ موسی نے اس کا انداز دیکھا اور سرشار ہو گیا۔ اتنا کہ ساگ بھی کھانے لگا۔ یہ محبت کے مارے بھی ناں۔

"موسیٰ! یہ تمہاری ہماری لڑائی کیسے ہوئی تھی؟" جنت نے انگلی پر لگا کھٹا سنگترہ زبان سے چوسا۔

"ڈاپریگدا (تم چھوڑو۔)

"کیا؟"

"مطلب تو کیا کرے گی جان کر۔" وہ ساگ سے نبرد آزما تھا۔

"تو بتا تو۔"

"وہی جو پنجاب میں اسی فیصد دشمنیوں کی وجہ ہوتی ہے۔ یعنی تیرے ظفر پا جی نے ہمارا پانی توڑا تھا۔ اس سال ہم نے سارا سرمایہ منجن (دھان) پر لگایا تھا۔ فصل تیار کھڑی تھی، پانی نہ ملتا تو ہم تباہ ہو جاتے، مگر وہی ہوا، چوہدریوں نے اپنا آپ دکھا دیا۔ بس پھر ہو گئی لڑائی شروع۔ ہم نے تمہارا، تم نے ہمارا۔۔۔"

"پانی کہاں سے توڑا تھا؟"

Scanned with CamScanner

"وہ کھوہ(کنواں) والی کھیت سے۔"

"صوفی صاحب کے گھر کے سامنے سے؟" وہ چونک کے بولی۔

"ہاں تب صوفی صاحب کی بڑی صاحبزادی کی مایوں تھی۔"

"اور ہم سب لڑکیاں ڈھولکی پر گئی تھیں اور جب واپسی کے لیے مڑیں تو میں بڑے نکے (ناکے) پر کسی کو پانی توڑتے دیکھا تھا' مگر وہ ظفر پاجی تو نہ تھے۔" وہ جیسے خواب میں بول رہی تھی۔ وہ منظر اسے ویسا ہی یاد تھا جس میں کچھ بھی چونکا دینے والا نہ تھا سوائے اس نیم تاریک وجود کا خود کو سرکنڈوں میں چھپانا۔ سب سے آخر میں چلتی جنت نے اس شخص کے اس فعل کو حیرت سے دیکھا' مگر تب وہ آٹھ سال کی تھی اور اپنی امی کے دوپٹہ کھینچ کے رونے لگی تھی' سب سمجھے وہ ڈر گئی ہے' مگر وہ تو الجھ گئی تھی۔

"موسیٰ۔۔۔ موسیٰ وہ ظفر پاجی نہیں تھے۔" اس نے گویا دھماکا کیا۔

"سارے چوہدری یہی کہتے ہیں۔" اس نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"میں جھوٹ نئیں کہتی موسیٰ' میں نے اس شخص کو خود دیکھا تھا وہ کوئی اور ہی تھا۔"

"اچھا۔ پھر کون تھا؟" موسیٰ نے کھانے سے ہاتھ کھینچا۔

"وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ پتا نئیں پر وہ ظفر پاجی نہیں تھے۔"

"چل چھوڑ یہ ہیر رانجھا' جنت فاطمہ۔۔۔ تیرا ساگ اچھا تھا۔" وہ اٹھنے لگا۔

"تجھے لگتا ہے میں جھوٹ بول رہی ہوں۔" وہ تیز آواز میں بولی۔ وہ تڑخ گیا۔

"اگر تو سچ بھی کہہ رہی ہے تو پھر میں اس سچ کا کیا کروں؟" جنت کو اس سے اس بے نیازی کی توقع نہ تھی۔ وہ غصے میں پاگل ہی ہو گئی۔

"تو کچھ نہ کر۔۔۔ چل کے اپنے دا جان کے جوتے سیدھے کر اور میں یہاں ان کے مان بڑھاتی ہوں اور کیا ہوتا ہے۔ کل کو آجائے کوئی چوہدری میرا دعوے دار بن کے' پھر تو بھی آجانا تماشے کھانے۔"

"میں آگ نہ لگادوں ان سارے چوہدریوں کو۔ اک بات میری یاد رکھ' ان سب چوہدریوں کی موت میرے ہی ہاتھوں لکھی ہے' یہ تو پکی بات ہے' مگر ذرا جو تیری طرف دیکھا بھی کسی چوہدری نے۔ قسم سے میں آری سے چھید دوں گا بے غیرتوں کو۔"

"تو گالی دے رہا ہے۔۔۔ مجھے میرے بھراؤں کو گالی دے رہا ہے موسیٰ۔۔۔ تیرے دل کی کالک ابھی بھی ویسی ہی شدید ہے۔" پہلے وہ صدمے سے گنگ ہوئی پھر غصے میں پاگل۔

"تو مارے گا انہیں۔۔۔ ہاں تو مارے گا چوہدریوں کو۔ چل نکل یہاں سے۔ دفع ہو۔" اس نے موسیٰ کو پیچھے دھکیلا وہ چھت سے گرتے گرتے بچا تو دماغ اس کا بھی الٹ گیا۔

"تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"تو نے مجھے اتنا بے غیرت سمجھا ہے کہ میرے سامنے میرے بھائیوں کو مارنے کی بات کرے اور میں بیٹھی تیری مردانگی پر واہ واہ کرتی رہوں۔ میں ہی خائن تھی' جوان کو دھوکا دے دے کر تجھے سینچتی رہی۔ ابھی جا اور کبھی ادھر مت آنا ورنہ شور مچا کر سارا پنڈ اکٹھا کرلوں گی۔"

"صحیح۔۔۔ بڑے وقت پر اصلیت دکھا دی جنت فاطمہ نے۔ ورنہ میں اپنے ہی خون سے جنگ کرنے چلا تھا۔ کتنا نامرد تھا میں' جو ایک عورت کے پیچھے ساری سدھ بدھ کھوئے جان ہتھیلی پہ سجائے ہر ہفتے دشمن کی کچھار میں آتا تھا۔ لعنت ہو مجھ پر۔۔۔ اور یاد رکھنا مجھے کوئی شوق نہیں ساری عمر یہ دیواریں پھلانگ کر لنگڑا ہونے کا۔ تف ہے مجھ پر۔" معاملہ کچھ زیادہ ہی سنجیدہ ہو گیا۔

"لعنت تجھ پر نہیں۔ لعنت ہو مجھ پر جو آدھی رات کو جان دینے والے رشتوں کی عزت گروی رکھ رکھ تجھ سے ملنے آتی رہی' لعنت ہو تو مجھ پر۔ اب دفع ہو جا یہاں سے اور کبھی شکل مت دکھانا۔" موسیٰ کو ایک دھکا اور پڑا تھا۔

Scanned with CamScanner

"ہاں۔۔۔ ہاں جا رہا ہوں۔ اب آؤں گا بھی نہیں۔ اچھے بھلے نیلے سبز گھر کے شربت چھوڑ کے ان کھارے سیاہ پانیوں کا شوق چڑھا تھا مجھے۔ میں کہتا ہوں لعنت ہو مجھ پر اور میری زندگی کی سب سے غلطی پر بلکہ گناہ پر۔" اشارہ آنکھوں کا تھا۔

"مجھے بھی گھر کی سنہری گندم چھوڑ کے ان ابلے چاولوں کو چکھنے کا لالچ ہوا تھا۔ اب بھگت لیا ناں۔ میں بھی پلٹ کے تجھے نہ دیکھوں گی موسیٰ اور تو بھی اپنے گناہ کو دہرانے کبھی ادھر مت آنا۔"

سرخ آنکھیں، بھینچے جبڑے، تنے اعصاب وہ شدید مشکل میں تھی۔ موسیٰ نے "دیکھ لیں گے" والے کینہ توز انداز میں اسے دیکھا اور دیوار سے چھلانگ لگا دی۔ وہ ضبط کرتی گرتی پڑتی سیڑھیوں تک آئی جہاں ہمیشہ کی طرح نیلماں اونگھ رہی تھی۔

"کیا ہوا؟" وہ بھی جلدی سے اٹھی۔

"مر گیا کمینہ۔" نیلماں نے "نہیں" والے انداز میں اسے دیکھا۔

☼ ☼ ☼

پہلے پانچ دن وہ بہت زعم لیے بڑبڑاتی پھری۔ خانوں کے آبائی قبروں تک کو لات رسید کرنے والی حالت میں رہی۔ گھڑی گھڑی "اس" پر لعنت بھیج کے خوش و خرم رہنے کو ہر وہ کام کرتی رہی جو پچھلے چھ ماہ سے اس کی وجہ سے تاخیر کا شکار تھے۔ مثلاً" اس نے شیریں کی شادی پر پہننے کے لیے زرتار شرارہ، ورزن کے سر پر بیٹھ کے مکمل کروایا جو کہ آپا جی کو بالکل پسند نہ آیا۔ سردیوں کے نئے کپڑے بھی خرید لائی اور سینے کو بھی دے ڈالے مگر چھٹے دن صبح اٹھتے ہی وہ معمولی سی بات پر لڑ پڑی کہ ایک ماہ بعد اس حویلی سے رخصت ہو جانے والی شیریں سے بھی الجھ پڑی۔

ساتویں دن سفینہ بھرجائی کے بھائی کا اٹلی سے بھیجا مہنگا "ڈنر سیٹ" کا "ٹی پاٹ" اور ان کے بولنے سے پہلے ہی "ٹی وان" توڑ بیٹھی اور ان کے بولنے سے پہلے ہی کھنے لگی۔

"اب آپ بھی کہہ لیں مجھے غلط۔ میں ہوں ہی

ماہنامہ
حنا
بہنوں کا اپنا ماہنامہ
لاہور

نومبر 2017 کا شمارہ شائع ہو گیا ہے
دسمبر 2017 کا شمارہ بھی آپ کے ہاتھ میں

☆ "صراط مستقیم" حنا اصغر کا مکمل ناول،
☆ "کسی ہمسفر کی تلاش میں" عمارہ الطاف کا مکمل ناول،
☆ "[illegible] ہجر" عالیہ عباس کا مکمل ناولٹ،
☆ "[illegible] مختصر ہو گئی" سونیا چوہدری کا ناولٹ،
☆ "[illegible]" بشریٰ سیال کا ناول،
☆ "دل گزیدہ" ام مریم کا سلسلے وار ناول،
☆ "پربت کے اس پار کہیں" نایاب جیلانی کا سلسلے وار ناول،
☆ وجیہہ بخاری، فصیحہ بخاری، آسیہ مظہر، انورین شاہد، رابعہ افتخار، اور کنول ریاض کے افسانے،

پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں، انشاء نامہ، اور مستقل سلسلوں کے علاوہ وہ سب کچھ جو آپ پڑھنا چاہتے ہیں

[illegible]

ایسی۔۔۔ آپ سب کی ناک میں دم کردینے والی۔۔۔ اے کاش اماں نہ مرتیں۔۔۔ اے کاش ابا مجھ سے یوں غافل نہ ہوتے۔۔۔ اے کاش میں بھی اپنے گھر والی ہوتی۔"

آپا جی کا تسبیح گھماتا ہاتھ کانپ اٹھا تھا۔ یہ خود ترسی جنت میں پہلے تو کبھی نہ دیکھی۔ رات بھوؤں کے سامنے ہاتھ جوڑ بیٹھیں۔ وہ الگ حق دق۔۔۔

"آپا جی ہمیں تو شیریں 'بشریٰ' سے بڑھ کر ہے۔ ہم نے تو کبھی۔۔۔" وہ جو سات دن 'زبان سے ہر کسی کو نیل و نیل کررہی تھی' آٹھویں دن مردوں کی سی خاموشی تان کے بیٹھ گئی۔ صاحب جان کی حویلی سے کھیر آئی تھی۔ ساری لڑکیاں پیپل کے نیچے دھری چارپائیوں پر کھیر کے ساتھ مصوف' صاحب جان کا احوال دریافت کررہی تھیں۔ آپا جی کی آنکھیں نم ہوگئیں۔

"بہن کو دیکھے تو مدتیں ہوگئیں۔۔۔ سوچا تھا بھانجی کو تو دیکھ پاؤں گی تو وہ بھی فالج سے چارپائی کی ہوگئی۔۔۔ چلو رب دی رضا۔"

ولایت خان بنگش کی زوجہ کنیز' آپا جی کی بڑی بہن تھیں۔ صاحب جان' آپا جی کی بھانجی تھیں۔ شدید خاندانی دشمنی کے باوجود وہ خالہ سے کنارہ کشی نہ کرسکیں' مگر اب وہ خود بیماری کا شکار تھیں تو آپا جی اکثر یوں ہی آہیں بھرتی رہتیں اور مرد جان کے انجان بنے رہتے۔

"جنت پتر۔۔۔ ادھر آ بالوں میں تیل ڈال دوں پھر نہا لینا۔ کل جمعرات ہے۔ اس واسطے کل ہرگز نہ نہانا۔۔۔ چل اٹھ شاواش۔" آپا جی اسے پچکار رہی تھیں اور وہ جو بدھ کو بھولنے کے لیے سب جتن کررہی تھی ایک دم چیخ پڑی۔

"نہ۔۔۔ مجھے نئیں لگوانا تیل۔ بال خراب بھی ہوگئے تو کیا ہے۔ امینوں کون سا نیلام گھر وچ بالوں سے ٹرک کھینچنا ہے۔" لڑکیاں زور سے ہنس دیں۔ آپا جی تلملائیں۔

"آپا وڈی کی زبان تو دیکھو' کیسے بات کو کاٹ کاٹ رکھتی ہے' ذرا جو لحاظ کرجائے۔ دیدوں میں ذرا شرم نہ رہی اس کے۔"

"ہاں تے ٹھیک ہے' میں ہی بے شرم' بدلحاظ اور ساری کی ساری بری ہوں۔ کیا ضرورت ہے مجھ سے بات کرنے کی کسی کو۔ کوئی گل نہ کرے مجھ سے۔ میں ایسے ہی بھلی۔"

وہ زور و شور سے رونے لگی۔ لڑکیاں کھانا پینا چھوڑ' بھاگ کے آئیں' مگر وہ کمرہ بند ہوگئی۔ رات کو جب میاں جی نے دروازہ کھلوایا تب تک وہ شدید بخار میں مبتلا مرنے والی ہورہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"او موسیٰ۔۔۔ ادھر آ۔ او کیا ہوا ہے تجھے؟ کتنے دنوں سے دیکھ رہا ہوں' ہر کسی کو کاٹ کھانے کو دوڑ رہا ہے۔ دتے کو تین بار مارا ہے تو نے اور فضل نائی بھی کہہ رہا تھا کہ تو خط بنوانے گیا تھا اور چھوٹی سی بات پر اس کی درگت بنا کے آگیا ہے۔ گھر میں شاہ زینہ کو بھی صبح بے وجہ ڈانٹ رہا تھا۔۔۔ خیر تو ہے؟ اتنی گرمی کیوں کھا رہا ہے؟" ضمیر لالہ سخت کبیدہ میں دریافت کررہے تھے جس کا وہ عادی نہ تھا۔

"کچھ نہیں ہوا۔ کیا ہونا ہے مجھے۔ وہ تو تابھوری کو زنجیر سے مار رہا تھا تو میں نے منع کردیا بس۔۔۔ لالہ آج میں پانی پہ نہیں جاؤں گا تو اقبال اور گل باز کو بھیج دینا۔ ہرمن میرے ساتھ ایک یار کی مہندی پر جائے گا۔"

"وہ تو صحیح ہے' مگر تو سچ بتا کہ معاملہ کیا ہے۔ تین بار تو تیرا ہاتھ ہی کٹا ہے کام کرتے ہوئے اور یہ بڑبڑاتے ہوئے دیواروں کو لاتیں کس کے نام پر رسید کرتا ہے؟" اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا جو مشکوک نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"دیکھ اگر چوہدریوں کا معاملہ ہے تو پھر خاموشی بے وقوفی ہے۔ جانتے ہو ناں کہ وہ کتنے سفاک اور گھاگ ہیں۔ پیچھے سے وار کرتے ہیں۔ اس لیے کہہ رہا ہوں اگر طارق نے کوئی چبھتی ہوئی بات کہہ دی ہے تو ہمیں بتا' ہم خود دیکھ لیں گے' خود سے کوئی قدم نہ اٹھانا۔"

"وہ کتنے سفاک ہیں' اسی بات کا تو رونا ہے۔۔۔ میں خود دیکھ لوں گا اگر ضرورت پڑی تو آپ پریشان نہ ہوں۔"

Scanned with CamScanner

ہرمن نے تاسف سے سر ہلایا۔ وہ چوہدرائن اس جوان کی جڑوں میں بیٹھ گئی ہے' یقیناً کا اس نے یہی سوچا تھا۔

☆ ☆ ☆

دو ہفتوں میں اس کی ساری اکڑ نکل گئی تھی۔ بخار تھا کہ جان نہ چھوڑتا۔ وہ تھی کہ چپ نہ ہوتی۔ آپا جی نے سب ڈاکٹر حکیم بلا ڈالے۔ رام پور کے گرد و نواح کا ہر مزار چراغ سے روشن کر ڈالا' مگر وہ دن بہ دن مایوس ہوتی گئی۔

"نیلماں اب اگر کبھی نظر آیا وہ مجھے تے میں کبھی پہچانوں بھی ناں اسے۔ اللہ کرے مر جائے کمینہ۔" وہ ہچکیوں میں کہتی۔

"کہتا تھا جنت روکے دکھا۔ اب روتی ہوں تے دیکھنے ہی چلا آئے۔" نیلماں خاموشی سے سنے جاتی۔

"نیلماں بھلا موسیٰ دی جنت کو بھول سکتا ہے؟"

"چل غلطی میری ہی سہی پر کچھ کہے تو۔" جیسے جیسے دن گزر رہے تھے اس کی چپ طویل ہو رہی تھی۔

اس دن ظفر پا جی کی تشویش بڑھی تو اسے شہر لے گئے۔ دو دن وہاں رہنے کے بعد وہ کچھ بہتر ہوئی تو واپس لے آئے۔ رام پور کے داخلی راستے پر بارات کا جمگھٹا لگا ہوا تھا۔ نک سک تیار باراتی' ڈھول تاشے۔ وہ خالی خالی نظروں سے سب دیکھ رہی تھی۔ گاؤں کو مڑنے والی گاڑیاں ہولے ہولے رواں تھیں۔ ایک لمحے کو اسے دوسرے گاڑی کا شیشہ نظر آیا تھا اور وہ تھم گئی۔ موسیٰ ساتھ بیٹھے' گاڑی چلاتے لڑکے سے بات کر رہا تھا۔ چہرہ دوسری طرف تھا' مگر اس نے پہچان لیا۔ وہ جھلایا ہوا دکھتا تھا۔ ظفر پا جی نے مقبول کو گاڑی آگے کرنے کو کہا اور گاڑی کو جھٹکا لگا۔ وہ چونک کر سیدھی ہوئی' مگر موسیٰ نے دیکھ لیا اسے لگا جیسے جنت کی آنکھوں میں پہچان کم تھی۔ اس نے زریاب کو گاڑی آہستہ کرنے کو کہا تاکہ چوہدریوں کی گاڑی گزر جائے۔ اک بے چینی تھی جس نے روم روم پہ قبضہ کیا تھا۔ ایسی بے چینی جو فیصلہ کن تھی۔

☆ ☆ ☆

اگلے دن نیلماں اسے کھینچ کھانچ کے چھت پر لائی تھی۔ جہاں سب لڑکیاں چارپائیوں پر بیٹھی مالٹے کھا رہی تھیں۔ سردیاں اب شدت پکڑ چکی تھیں۔ سارے رام پور پر کہر چھایا رہتا۔ وہ سیاہ شال کو خود پر لپیٹے سب کے ساتھ شریک ہو گئی۔ لڑکیاں اگلے ماہ ہونے والی شیریں کی شادی کے لیے خاص تیاریوں میں لگی ہوئی تھیں۔ وہ ان کی باتوں سے اکتا کر گڈو کے گھر میں جھانکنے لگی۔ خالہ گندم دھو کے پھیلا رہی تھیں اور وہ یقیناً" سوہن حلوہ بنانے والی تھیں۔ جنت منڈیر پر ٹک گئی۔ ہتھیلی کو گال پر جمائے وہ خالہ کو دیکھتی رہی۔ بمشکل چالیس کی خالہ کو بیوہ ہوئے بھی چھ سال ہو چکے تھے۔ کیسے ظالموں نے دن دیہاڑے ان کے کارخانے میں گھس کر انہیں مارا تھا اور جوابا" انہوں نے جیل میں قید ان کے بندے کو مروا دیا پھر سب یوں ہی چلنے لگا۔ گولی دونوں طرف سے چلتی اور زد میں زیادہ تر مزارعے ہی آتے کبھی ادھر کے' کبھی ادھر کے۔

نظریں تھک گئیں تو یوں ہی زاویہ بدل ڈالا۔ صاحب جان کی منڈیر پر کہنیاں جمائے وہ جانے کب سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے شال کو آدھے چہرے پر کیا۔ موسیٰ نے ابھی تک صرف اس کا آدھا چہرہ ہی دیکھا تھا۔ کبھی کبھی وہ شال سیدھی کرتی بھی تو وہ پل بھر کے لیے ہی ہوتا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ چوکنا ہو گیا۔ دونوں ہاتھ فضا میں یوں اٹھائے جیسے "ہار" جانے والے اٹھاتے ہیں۔ وہ مڑنے لگی تو دونوں ہاتھوں سے کان چھوئے۔ وہ پھر بھی مڑ گئی۔ اس رات ہفتوں بعد جنت نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا تھا۔

☆ ☆ ☆

بلے بلے نی قتل کرا دیویں گی
کلی ڈاہ ایا کلی دے وچ چرخہ

بشریٰ پلنگ کے تختے پر بے ہنگم ہاتھ مار مار کر گنگنا رہی تھی۔ شیریں' مقصوداں سے سر پر مساج کروا رہی تھی۔ نیلماں ریڈیو کی فریکوئنسی سیٹ کر رہی تھی اور

Scanned with CamScanner

وہ چت لیٹی چھت کو گھور رہی تھی جب گڈو منقش دروازے کے ساتھ آن کھڑا ہوا۔ سب نے مڑ کر دیکھا سوائے جنت کے۔

"جنت باجی۔۔۔ جنت باجی ذرا ادھر آؤ۔ گل کرنی ہے۔" جنت یوں اٹھی جیسے اس لمحے کو پوروں پہ گن رہی ہو۔ شیریں مشکوک ہوئی۔

"گڈو ادھر آذرا۔"

"نیم نئیں ہے مجھے۔ بس جنت باجی سے ریاضی کا اک سوال سمجھنا تھا۔" شیریں دبک گئی مبادا اسی سے کچھ نہ پوچھ لے۔ ریاضی تو شادی کروانے سے بھی مشکل تھا۔ جنت اسے بازو سے پکڑ کر پیپل تلے لے آئی۔

"ہوں بتا۔۔۔ کیا کہنا ہے؟"

"وہ موسیٰ خان کہہ رہا تھا کہ وہ۔۔۔ بدھ کو آئے گا پرانی حویلی۔"

"کیا۔۔۔ بس یہی کہا؟" وہ حیران ہوئی' معافی تو مانگی نہیں۔

"ہاں بس اتنا ہی کہا۔ مرنے والا لگ رہا تھا قسمے رب دی۔۔۔ جنت باجی تو اس سے مل لینا نئیں تو رام پور کی ہر دیوار میں اس کا سر چھپا ہوگا۔"

"ہیں۔۔۔ سوچوں گی۔ تو جا اور ہاں کسی کو بتانا نئیں ورنہ تیرا موسیٰ تے پکا مرے گا۔" وہ منہ بسور کے چلا گیا۔ جنت کچھ سوچ کے مسکرائی تھی۔

☼ ☼ ☼

چاند نے ہفتوں بعد مندی مندی آنکھیں کھولی تھیں۔ رام پور کی پوری فضا خنک زدہ ہو رہی تھی۔ چوپال میں بیٹھے ہرمن سنگھ نے تان لگائی۔

یا جاگدا پروردگار راتیں
یا جاگدا پہرے دار راتیں
یا جاگدا عشق دی رمز والا
وارث میاں سب سوجاندے
بس جاگدا یار دا یار راتیں

جنت کو اپنی پشت پر قدموں کی چاپ محسوس ہوئی۔ دل چاہا مڑ کے دیکھ لے' مگر وہ گردن اکڑا کے بیٹھی رہی۔ وہ سامنے منڈیر پر آن بیٹھا۔ ایک جھجک سی تھی جو دونوں کے رویوں میں تھی۔ ایک سرخوشی تھی جسے دبائے وہ دونوں الفاظ ڈھونڈ رہے تھے۔

"اگر اس بدھ بھی میں نہ آتا۔۔۔ تو تو مر جاتی۔" اس نے آدھے چہرے پہ کھنڈی بیماری دیکھ لی۔

"شکل دیکھی ہے اپنی؟" گردن کی اکڑ وہی تھی۔ وہ بے ساختہ مسکرایا۔ سر جھٹک کے بولا۔

"نئیں دیکھی۔۔۔ مدت ہوئی آئینہ کسی اور کی شکل دکھاتا ہے مجھے۔"

"اب جتنے بھی الفاظ بول لے موسیٰ خان بنگش' میں یہ کبھی نئیں بھولنے والی کہ تو نے مجھے اپنی زندگی کا گناہ کہا تھا۔"

"اور تو نے مجھے تین دھکے دیے تھے جنت فاطمہ چوہدری۔ الفاظ اتنا ذلیل نہیں کر سکتے۔" دونوں نے خاموشی سے الفاظ ڈھونڈے۔

"مجھے لگا۔۔۔ اب تو کبھی نئیں آئے گا ادھر۔"

"اور مجھے لگا۔۔۔ تیری زبان سے زیادہ کڑوا تیرا دل ہو گیا ہوگا میری طرف سے۔"

"تو سچ میں میرے بھائیوں کو مارے گا موسیٰ؟"

"او نئیں۔۔۔ وہ بس ایویں کہہ دیا تھا ورنہ تو جس دن پہلی بار تجھ سے ملا تھا اسی دن سوچ لیا تھا کہ یہ دشمنی بڑھاؤں گا نہیں' ہو سکے تو کم ہی کروں گا۔ تو بس یہ بتا کہ موسیٰ کو پھر کبھی ایسی سزا نہیں دے گی ناں؟ باقی جو سوچ کر آیا تھا۔۔۔ سب بھول گیا حالانکہ تین تین بار ایک لائن دہرائی تھی کل رات۔۔۔"

جنت کی ہنسی نے فضا میں موجود دھند کے رتھ پر سوار ہو کر پورے رام پور کو اس بات کی رضامندی پہنچا دی کہ اب مر کے بھی یہ ستم "خود" پر نہیں کرے گی۔

☼ ☼ ☼

ہوائیں اپنے ساتھ خوشیاں لیے گھومتیں' آتے جاتے اس پر لٹاتیں۔ اس کی کھلکھلاہٹیں رد

Scanned with CamScanner

زمین پر امید بڑھا دیتیں۔ کوئی اندھا بھی ہوتا تو ان کی محبت دیکھ لیتا۔ کوئی بہرہ بھی ہوتا تو ان کی محبت سن لیتا۔ پھر بھی جنت اگر انگلیوں پر گنتی تو معلوم ہوتا کہ موسیٰ نے کبھی سیدھے لفظوں میں محبت تحفہ نہ کی تھی اور خود وہ الفاظ کے ہیر پھیر سے بھی دور بھاگتی۔ پھر بھی ان دونوں کے درمیان محبت ٹھاٹھیں مارتی تھی۔

"آپا جی مہندی لگا دو۔" وہ منڈیر سے جھانک کے بولی۔ مامیاں حیران رہ گئیں۔ یہ باؤلی ہو گئی ہے۔ اتنی ٹھنڈ میں مہندی۔!

آپا جی اس کی بیماری کے بعد سے بہت محتاط ہو گئی تھیں۔ فوراً" ہاتھ پکڑ کر اس پر گول دائرہ۔ بنانے لگیں۔ مہندی لگانے کے بعد بولیں۔

"ابھی تھوڑی دیر بعد جا کر اتار لینا میری دھی۔ اتنی ٹھنڈ میں سرسام ہو جاتا ہے اوپر سے شام ڈھل رہی ہے۔" وہ سر ہلانے لگی۔ اتنے میں ظفر پا جی کامی کو مارتے ہوئے تخت تک لائے۔ اسے تخت پہ اچھال کے وہ جانوروں کی طرح زدوکوب کرنے لگے۔ کامی کے ناک منہ سے خون ابل پڑا۔ خواتین کی چیخیں نکل گئیں۔

"یہ ان دشمنوں سے یاریاں لگانے چلا ہے۔ جن کا خون ہم اپنے کتوں کو پلائیں۔" کسی کی کچھ سمجھ میں نہ آیا، مگر جنت سن رہ گئی۔

"یہی ہاتھ پکڑا تھا ناں تو نے ضمیر دے پتر دا۔۔۔ میں یہ ہتھ ہی کاٹ دوں گا۔" وہ اسے کھینچ کر دور لے گئے پھر جھانجوں سے اس کا ہاتھ رگڑنے لگے۔ اتنا کہ کامی کے ہاتھ سے خون نکل آیا۔ میاں جی نے ظفر پا جی کو بمشکل سنبھالا اور سرفراز ماموں کامی کو مرہم پٹی کے لیے لے گئے۔

"بس مجھ سے برداشت نہیں ہوتا میاں جی۔ میرا بس نہیں چلتا کہ میں ان کے کلیجے نکال لوں۔" وہ کف اڑا رہے تھے۔ میاں جی انہیں مردان خانے لے گئے۔ خواتین ادھر ادھر ہو گئیں، مگر جنت ساکت رہی۔۔۔ اتنی نفرت۔ اف۔۔۔ آج اس نے جان لیا کہ اس دن موسیٰ کو کیا لگا ہو گا۔ آپ ایک لمبے سفر پر نکلے ہوں، پاؤں چھالوں سے بھرے ہوں اور آدھے سفر میں جا کے آگے سے راستہ بند ملے تو آپ کیا کریں گے؟ وہ اٹھ کے چھت پر چلی آئی۔ موسیٰ آیا۔

"پھر مہندی لگالی۔ تجھے پتا ہے ناں مجھے زہر لگتی ہے اس کی بو۔" وہ اسے دیکھتی رہی۔ بولی۔

"موسیٰ۔۔۔ چل بھاگ چلتے ہیں۔ کہیں بہت دور۔ تو چاہے تو مجھے کوہاٹ لے جا۔ میں رہ لوں گی۔ تو کہتا ہے ناں کہ مجھے تجھ سے محبت نہیں۔۔۔ لے آج بولتی ہوں کہ محبت ہے۔ اب تو لے جا۔"

"جنت!" موسیٰ کا لہجہ سرسرایا۔ جان گیا کہ جنت کس لمحے سے گزر رہی ہے۔

"تو جذباتی ہو رہی ہے، کچھ لمحوں میں ٹھیک ہو جائے گی۔"

"آج میں نے جان لیا موسیٰ کہ ہم ریت پر انار اگا رہے تھے۔ ہم کبھی ایک نہیں ہو سکتے موسیٰ۔"

"مقتول بہت بڑی للکار ہوتا ہے۔۔۔ وہ اپنا خون رشتوں کی رگوں میں چھوڑ کے جاتا ہے اور پھر۔۔۔ وہ خون اس للکار کو کبھی مدھم نہیں پڑنے دیتا۔" وہ جیسے خود سے کہہ رہا تھا۔

"تو پھر تیرا خون کیسے ٹھنڈا ہو گیا؟ تجھے مجھ سے محبت کیسے ہو گئی موسیٰ؟"

"بس ہو گئی ناں۔۔۔ بس ہو گئی۔" وہ جیسے کراہا۔

"اگر میرے بس میں ہو ناں تو میں اپنی رگیں چھیل کر یہ محبت بہا دوں خود میں سے۔۔۔ پر یہ بس میں ہی نہیں۔"

"میرا کیا ہو گا کبھی یہ سوچا ہے موسیٰ خان؟"

"سوچا۔۔۔ بہت سوچا، مگر میرے اندر کی ہر آواز جیسے گونگی ہو گئی۔ ایسا سناٹا چھایا کہ مجھے قبر سی ٹھنڈک کا احساس ہوا۔۔۔ گولی چلانے والوں کو الفاظ کی ہیشہ کمی رہی ہے۔ تو بس میری ہے جنت۔۔۔ یہ وعدہ رہا۔" اور جنت ہر محبت کرنے والے کی طرح الفاظ پر بھروسا کر بیٹھی کیونکہ سامنے والے کی آنکھوں میں جھوٹ کی گنجائش نہ تھی۔

☆ ☆ ☆

Scanned with CamScanner

زندگی اسے صرف دے ہی رہی تھی اور وہ آنے والے کل سے بے خبر' وقتی خوشیاں' سمیٹ سمیٹ' دامن سجاتی جارہی تھی۔

"جنت! منزل کو مڑتی آخری گلی۔" وہ واپس آتی مارچ کے خوشبو بھرے دنوں پر نثار ہوتے ہوئے بولا۔

"موسیٰ۔ کسی قفل زدہ قلعے کی اکلوتی کھڑکی۔" وہ بھی اترا کر بولی۔

"جنت۔ بند آنکھوں کے پیچھے چمکتے نور جیسی۔" فضا میں تیرتی چاندنی نے ساز عشق پر جھومنا شروع کیا۔ چاہنے والوں کو الفاظ غلام ملے۔

"موسیٰ۔ کسی ساحر کی آنکھوں کے سرور جیسا۔"

"جنت۔ جنون کو عشق کرتی اجازت۔"

"موسیٰ۔ موت اور عشق کے درمیان حد فاصل۔" مسکراہٹیں بار بار ان کا منہ چومتیں۔

"تو میرا عشق۔ اور ہم۔ اک دوجے کے دشمن۔" وہ کھلکھلا کے ہنسے اور تقدیر کی ہنسی کی جانچ سے محروم ہی رہے۔ ہمیشہ کی طرح۔

☼ ☼ ☼

ہجویری شاہ کا میلہ گزر گیا۔ جنت کو اس بار پھر سبز کانچ کی چوڑیاں ملیں۔ میلے کے بعد آم کے باغوں پر پہرہ بڑھ گیا۔ خانوں اور چوہدریوں کی کئی بار جھڑپیں ہوئیں۔ جنت ہول اٹھتی' پر بات آئی گئی ہوجاتی۔ وہ امتحانات سے فارغ ہوئی تو میاں جی نے لڑکیوں کے لیے برد دیکھنے کا اجازت نامہ آپا جی کو تھمادیا۔ باقیوں کے برعکس وہ بولائی بولائی پھرتی۔ طارق بڑی مامی کے کمرے میں گھسا رہتا' وہ مزید ہولتی۔ اس دن ساری دوپہر تپتی لو چلی تھی۔ سہ پہر بھی گھٹن لیے اتری۔

"لگتا ہے آندھی آئے گی یا پھر بارش۔" بشریٰ کے اپنے ہی اندازے تھے۔ وہ چیخ گئی۔

"اللہ نہ کرے۔ بدھ کو کوئی آندھی' کوئی بارش رام پور کا رخ نہ کرے۔ مر مر کے تو یہ دن آتا ہے۔" وہ بڑبڑا کے چھت کو جاتی سیڑھیوں پر آن بیٹھی۔ سارے گھر میں نیلماں کی سہمی آواز اس کا نام جپتی پھرتی۔ وہ وہیں سے ہانک لگانے لگی۔

"جنت۔ جنت' غضب ہوگیا۔"

"موسیٰ تے ٹھیک ہے ناں؟" ہائے' اس باوفا کی فکریں۔

"جنتے۔ میں نے ابھی ابھی طارق پاء جی کو کسی سے بات کرتے سنا ہے۔ جنت یہ لوگ' یہ لوگ گل باز کو مارنے والے ہیں آج رات' جب وہ پانی پر جائے گا۔ طارق پاء جی نے ظفر پاء جی کو بتایا ہے کہ انہوں نے بندے منگوالیے ہیں چوراسی چک سے۔" وہ بے ساختہ اٹھی۔ زرد رنگت اور چھوٹتے پسینوں کے ساتھ وہ چھت کو بھاگی تھی۔

☼ ☼ ☼

"تو جنت بی بی! دن دیہاڑے اس پٹھان کو قتل کروانے کا پکا عہد باندھ چکی ہیں جو اس وقت بلاوا بھیجا۔ ویسے تو۔"

"موسیٰ۔ گل باز۔ گل باز کو بچالے۔"

"کیا ہوا جنت!" وہ بے یقین ہی رہا۔ وہ ہانپ رہی تھی۔

"چوراسی چک سے بندے آگئے ہیں۔ کھیتوں میں کہیں گھات لگی ہے آج پانی پہ نہ جانے دے اسے۔ طارق کی بات نیلماں نے خود سنی اور۔" وہ درشتی سے مڑا اور جنت نے ہر پیمان توڑ کر اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں دبالیا۔ اک ایسی زنجیر سے اسے باندھا جو وہ جھٹک بھی نہ پاتا۔ توڑنا تو دور کا خیال۔

"کچھ ہوگیا۔ مطلب کچھ بھی تے' مجھے چھوڑ تو نئیں دے گا؟" لرزتے لہجے میں یقین دہانی چاہی۔ موسیٰ بے بس ہوا۔ وہ کلف سی اکڑی ہوئی لڑکی' کیسے حالات کو لاچاری سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے لب کھلے۔

"تو دعا کر۔ "کچھ" نہ ہو۔" کوئی عہد نہ باندھا۔ جنت نے ہاتھ کھینچے اور وہ دیوار سے کود گیا۔ آج وہ "یہ مرے گا" کہنا بھول گئی' مگر تقدیر کچھ نہ بھولی تھی۔

☼ ☼ ☼

Scanned with CamScanner

عصر کا وقت ابدیت کی کوکھ میں جا سویا اور مغرب کا وقت طلوع ہوا۔ اک مدت سے رب کو بھولی جنت، سوکھے ہونٹوں کو مسلسل جنبش میں رکھے ہوئے التجائیں کر رہی تھی۔ آپا جی، مامیوں کو خوشی خوشی بتا رہی تھیں کہ آج جنت نے پورے پانچ ماہ بعد نماز پڑھی ہے۔ اس نے شرمندگی سے مزید سر جھکا لیا۔

"میرے اللہ، وہ مجھے تجھ سا پیارا نہیں۔۔۔ مگر تو جانتا ہے ناں کہ میری سانسیں اکھڑ جائیں اگر اس کے نہ ہونے کا تصور بھی ہو۔ میں غلط کار و خطا کار، مگر تیری چاہت پھر بھی سب سے اوپر ہی ہے۔۔۔"

برآمدے میں بھاگتے قدموں نے جیسے بین مچا دیے ہوں۔ وہ چہرے پہ ہاتھ پھیر کے جائے نماز سے اٹھنے لگی۔ نیلماں اس کے کندھے پر جھک آئی۔

"جنت، تیری قسمت ہی خراب ہے۔۔۔ تجھے خوشیاں راس ہی نہیں۔" وہ زار زار رونے لگی۔ جنت کی سانس رک گئی۔

"نیلو تجھے میری جنڈری داواسطہ۔۔۔ کہہ دے موسی ٹھیک ہے۔ اسے تو کچھ نہیں ہوا ناں۔۔۔" نیلماں نے سر دائیں بائیں ہلایا۔

"سب الٹ ہو گیا۔ میاں جی لاہور گئے ہیں۔ انہوں نے گل باز کو مارنے کا سوچا۔ وہ تو کیا ہاتھ لگتا، الٹا تیری بدولت۔۔۔ موسی پکڑا گیا ہے پچھلی گلی سے۔ پرانی حویلی لے گئے ہیں اسے۔۔۔ طارق کہتا ہے تڑپا تڑپا کے مارے گا وہ خانوں کی "دستار" کو۔ جنت کچھ کر لے۔۔۔ کچھ کر لے۔" لمحہ لمحہ گھٹتی سانسوں کو بمشکل سینے میں دھکیل کے وہ اٹھی۔ پیپل تلے آپا جی تسبیح گھماتے ہوئے اسے آتے دیکھنے لگیں۔ وہ ان کے قدموں میں ڈھے گئی۔

"آپا جی۔۔۔ آپا جی، میاں جی کو بلائیں۔ اللہ کے واسطے میاں جی کو بلا لیں۔ میں مر رہی ہوں۔۔۔ میں مر جاؤں گی۔ روکیں انہیں۔۔۔ مجھے بے رنگ نہ کریں۔۔۔ جنت کو بنجر نہ کریں۔۔۔" اس کی آواز بند ہو گئی۔ ہونٹ نیلے پڑ گئے، ہاتھ بے جان، سرد ہو گئے۔ آپا جی کے واویلے نے حویلی میں موجود ہر نفس کو پیپل کی اور بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ حتی کہ کلہاڑیاں اور درانتیاں اکٹھی کرواتا طارق بھی ملازموں کو چھوڑ کر حویلی کے زنان خانے کو دوڑا تھا۔

☼ ☼ ☼

موت رام پور کے چاروں کونے اسیر کیے منتظر بیٹھی تھی، مگر کسی کے کانپتے نیلے لب "حکم" کا رخ موڑے ہوئے تھے۔ حویلی کے مکین مگن سے اپنے اپنے بستروں میں دبکے تھے۔ وہ صحن میں اکڑوں بیٹھی تھی۔ نیلماں دائیں بائیں پھرتی، پھر اسے ہلا جلا کر دیکھتی۔ جانے کیوں اسے جنت پر لاش کا گمان ہوتا۔

"اسے درد ہو رہا ہے نیلماں۔۔۔ میرا بدن تو دیکھ، یہ نیلو نیل ہو گیا ہے اس کی تکلیف پر۔ تو بتا میں کیا کروں؟ تو نے کہا تھا کچھ کر۔۔۔ تو بتا کیا کروں، مجھے بڑا درد ہو رہا ہے نیلماں۔" وہ روئی تھی۔ نیلماں نے فیصلہ کرتے ہوئے اس کا بازو تھام کے اٹھایا۔

"میں تیری مدد کروں گی جنت۔۔۔ پر تو اک وعدہ کر۔۔۔"

"تو بول، میں وعدہ کرتی ہوں کہ جو کہے گی، میں مانوں گی۔" وہ بول نہیں رہی تھی، وہ کراہ رہی تھی۔

"زبان دی ہے مجھے تو نے۔۔۔ آج کے بعد تو اس سے نہیں ملے گی!"

"نیلماں!" وہ ششدر رہ گئی۔

"تو پھر ملے گی، وہ پھر سے یہ درد سہے گا۔ جنت کبھی کبھی مجھے تجھ پر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ اتنا چاہنے کے باوجود تو اسے ہر بدھ کو سولی پر ٹانگتی ہے۔ تو نے کبھی نہیں سوچا کہ وہ کیسے کیسے پل صراط گزر کے آتا ہے پرانی حویلی۔ یہ محبت آج نہیں تو کل اس کی جان ضرور لے گی۔ تو محبت کرنا نہیں چھوڑ سکتی، ناں چھوٹے پر ملنا چھوڑ دے۔"

"اس سے قیمتی جنت کے پاس کچھ نہیں نیلماں۔۔۔ میں نہیں ملوں گی اس سے۔ صرف اس بار بچا لے اس کو۔ وہ تو نہتا آیا تھا پرانی حویلی۔"

"چل میرے ساتھ۔" وہ نیلماں کے ساتھ گھسٹتی

Scanned with CamScanner

پرانی حویلی کو کھلتے کواڑ تک گئی۔ دوسری طرف کسی گھنڈر ہوئے کمرے میں موسیٰ کی کراہیں گونجتی تھیں۔ کلہاڑیوں کے وار اس کے جسم کو چھلنی کرنے پر تلے تھے۔ اک دم کواڑ پر ہاتھوں کی ضربیں پڑیں۔

"پاجی۔۔۔ پاجی۔۔۔ ادھر حویلی میں کوئی آیا ہے۔ پاجی جلدی آؤ۔ مدد کرو۔" نیلماں اور جنت کی صداؤں نے ان کے ہاتھ روکے' ادھر خواتین نے بنا تحقیق کے دیا دبا چیخ کے مردوں کے اوسان خطا کردیے۔

"گامے۔۔۔ تو ادھر ہی رہ۔ تم لوگ آؤ ذرا پچھلی گلی چھانو۔" چوکنا کھڑے' گھبرائے ہوئے گامے کے سر پہ لگنے والا پتھر اس کا ذہن تاریک کر گیا۔ نیلماں نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"جاؤ۔۔۔ مگر اپنا وعدہ یاد رکھنا۔" وہ اس ملگجے سے کمرے میں گھسی نیم تاریکی میں کچھ نہ دکھتا۔ صرف کراہیں سنائی دیتیں۔

"موسیٰ۔۔۔ موسیٰ!" وہ سوکھی' سرخ ہوتی گھاس پر اوندھے پڑے موسیٰ کو سیدھا کرنے لگی۔ دوپٹے سے چہرہ صاف کیا۔

"موسیٰ' اٹھ' بھاگ جا۔۔۔ موسیٰ' نہ کر' آنکھیں تو کھول۔" وہ حیران ہوا۔ پھر دیکھتے ہی آنکھیں خون رنگ ہو گئیں۔

"تو تو خائن نکلی۔ چوہدریوں کا بچھایا جال۔" اس نے جنت کی کلائی دبوچ لی۔ سبز چوڑیاں گھاس پر بکھریں۔

"مجھے ایسے نہ مار' موسیٰ۔"

"چل نہیں مارتا۔" وہ اٹھا۔ "پھر تو بھی رک ادھر۔ ابھی تیرے بھائی آتے ہیں تو ان کے سامنے یہ سب بول مجھ سے۔" وہ جنونی سا نظر آرہا تھا۔

"مجھے موت سے ڈر نہیں لگتا موسیٰ۔ مجھے جیتے جی مرجانے سے ڈر لگتا ہے۔ جو کہتا ہے سچ ہے۔ میں ہوں خائن۔۔۔ جال بھی' مگر تو بھاگ جا یہاں مر بھی گیا تو خائنوں کو کانوں کان خبر نہ ہوگی اور یہ تجھے ادھر ہی کہیں دفن بھی کردیں گے۔ تو سلامت رہ۔ تیری نفرت بھی سلامت رہے۔ تو بھاگ جا۔" وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگا۔

"میں سلامت رہوں نہ رہوں بی بی۔۔۔ میری نفرت ضرور سلامت رہے گی۔ یاد رکھنا۔" وہ لمحوں میں جنت' موسیٰ کی جنت سے صرف بی بی ہوئی تھی۔ وہ خود کو گھسیٹنے لگا۔

چوہدریوں نے کونا کونا چھاننے کے بعد عورتوں کو گالیوں سے نوازا اور پرانی حویلی نے انہیں مایوس کردیا۔ زخمی پڑے گامے کو ٹھڈے مارتے وہ پاگل ہو گئے۔

"چھڑا کے لے گئے اس کمینے کو۔ اب سارے ہوشیار رہو۔ خان اب بہت بپھریں گے۔" ظفر چوہدری نے کنپٹی مسلتے ہوئے سب سے کہا۔

☆ ☆ ☆

ادھر موسیٰ خان نے ہرمن سنگھ کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تھا۔ اسے اس بات کو راز ہی رکھنا تھا اور بدلہ بھی اپنے طریقے سے لینا تھا۔

دن پر دن گزرتے گئے اور سال کی دکان تیار ہوتی گئی۔ جنت ٹھہر گئی بس۔ ان دنوں وہ کچھ بھی لگتی۔۔۔ بس جنت نہ لگتی۔

بالآخر طارق جیت گیا۔ بڑی مامی نے لپک جھپک اس کو سرخ زرتار دوپٹا اوڑھایا اور اپنی جڑاؤ انگوٹھی پر دھاگا باندھ کے اس کی انگلی میں سجادی۔ جنت جیسے مر ہی گئی۔ ماموؤں کے چچا زاد' جو گاؤں کے دوسرے سرے پر چھوٹی حویلی میں تھے وہ خاندان بھر کے ساتھ مٹھائی لیے چلے آئے تو گھر میں شادی جیسی رونق ہو گئی۔ جنت سانس روکے اپنی کلائی میں بچی کچی چوڑیوں کو دیکھتی پھر گنتی اور پھر دیکھتی۔ نیلماں اسے پکڑ کے پنڈال میں لے آئی۔ بارہ تیرہ سال سے دبئی میں مقیم چوہدری شیراز جنت کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ساتھ بیٹھے اس کے باپ چوہدری یعقوب نے اس کا ہاتھ دبا کر متحمل رہنے کا مشورہ دیا۔ وہ بار بار مٹھیاں بھینچتا۔

"بھلا میں اتنے سال دبئی میں کیا کرتا رہا؟" جنت

Scanned with CamScanner

نے سر اٹھا کر لکڑی کے منقش موڑھے پر بیٹھے اس شخص کی حرص کو دیکھا۔

"میں نے اسے کہاں دیکھا ہے؟" طارق نے برآمدے کے کونے میں رک کر اسے دیکھا اور مسکرایا۔

"جسے جنت مل جائے اسے اور کیا چاہیے یارا۔" چوہدری شیراز نے اس کے کندھے پر دھپ لگا کر کہا۔ "ویسے آپس کی گل ہے، گھر کی لڑکیوں کو بھی چیک کرلینا تھا۔ آخر پٹھان بھی حسن یوسف کے حصے دار ہیں۔ کیا پتا۔" الفاظ کے برعکس لہجہ بڑا میٹھا تھا۔ چوہدریوں کے وہاں چوٹ لگی جہاں نہیں لگنی چاہیے تھی۔ جنت کا رنگ زرد ہوگیا۔ ماحول ساکت تھا۔ کاٹیاں شخص نے لمحوں میں معاملہ جانچا اور جنت نے سرکنڈوں کے پیچھے چھپتا آدھا چہرہ مکمل دیکھ لیا۔ دونوں کے راز مہلک تھے۔

طارق تیزی سے واپس مڑا۔ چوہدری یعقوب، میاں جی کو وضاحتیں دینے لگا۔ جنت کمرے میں دوڑی۔

"یہ وہی ہے۔ سو فیصد وہی ہے۔ پھر دبئی جانا۔ اس واقعے کی رات ہی۔ انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ سب اسے جہاز پر چڑھانے گئے ہیں مگر انہوں نے کہا کیا ہے یہ سب۔" وہ بڑبڑائے گئی۔

"جنت کیا ہوگیا ہے تجھے۔ کیا بول رہی ہے۔ نہ سر نہ پیر۔" نیلماں جھنجلا رہی تھی۔

"نیلماں۔ موبی کو بلا دے۔ صرف آخری بار پھر کبھی اس سے چھپ کے نہ ملوں گی۔ اپنا وعدہ پورا کروں گی بس آخری بار بلا دے۔"

ادھر پرانی حویلی کے کھنڈر کمرے میں کھڑے طارق نے مشکوک سا چاروں اور دیکھا۔ گھوم کے دیکھا۔ پاؤں تلے کچھ کچلا گیا۔ وہ زمین پر جھکا۔ گھاس میں اٹکے سبز کانچ کے ٹکڑے۔ سبز کانچ۔

"یہ چوڑیاں آپ کی ہیں؟" دو زانو بیٹھا شخص بولا تھا۔ طارق سائیں سائیں کرتے دماغ کے ساتھ اٹھا۔

☆ ☆ ☆

"میاں جی۔ میاں جی ادھر آؤ تے دیکھو۔ تساں دی چہیتی نے کیا چن چڑھایا ہے ہماری ناک کے نیچے۔"

طارق کے واویلے پر سب باہر کی طرف دوڑے۔ پیپل کے سائے تلے پرانی حویلی کا کواڑ بند کرتے ہوئے وہ کف اڑانے لگا۔ چوہدری یعقوب کا خاندان بھی تماشائی ہوگیا۔ طارق نے سبز کانچ میاں جی کے پیروں میں دے مارا اور ظفر پاء جی نے جنت کا سبز چوڑیوں کا بازو دبوچا۔ سب حیران، رنگ فق، آنکھیں پھٹی۔

ظفر پاؤ جی کے اندر ہر دم سوتا بھیڑیا ہڑبڑا کے جاگا اور انہوں نے جنت کی کلائی اس زور سے موڑی کہ پکی حویلی کے ہر گوشے نے اس کی کراہیں سنیں۔ اس کا بازو ٹوٹ چکا تھا۔ سر پھٹ چکا تھا۔ ناک، ہونٹ سوج چکے تھے۔ چوہدری یعقوب کے اشارے پر شیراز، طارق کو کھینچتا ہوا باہر لے گیا۔

"معاف کردیں میاں جی۔ صرف یہی غلطی کی زندگی میں۔ صرف ایک غلطی معاف کردیں۔ ماں کو گالی نہ دیں نہ ہی خانوں کو۔" آپا جی نے ظفر کو دھکا دے کر اسے خود میں سمیٹ لیا۔ میاں جی چارپائی پر ڈھے گئے۔ ظفر نے بندوق گولیوں سے بھر لی۔

"ہر غلطی دی معافی نہیں ہوتی جنت فاطمہ۔ تیری لاش چوپال میں پھینک کر آئیں گے ناں تے اگر کسی نے دفنایا فیر قبر پر معافی نامہ بھی تھوک آئیں گے۔"

"نہ ظفر نہ۔ معاف کردے اسے۔ میں کل ہی بھیج دوں گی اس کے باپ کے گاؤں، کوئی تایا چچا تے رکھے گا ناں اسے۔"

"او پیچھے ہو آپا جی۔ اس ذلت کے بعد وی تساں نوں اس ذلیل دے نال ہمدردی ہو رہی اے۔ اس دے باپ نوں میں خود پچھ لوں گا۔" آپا جی، میاں جی کو دیکھنے لگیں۔ وہ رخ موڑ گئیں۔

"میں کمرے میں جا رہا ہوں۔ ظفر، مجھے باقی سب بتا دینا۔" نیلماں بھاگ کے آگے ہوئی۔

"میاں جی۔ معاف کردیں اسے اللہ کا واسطہ۔

Scanned with CamScanner

یہ تو بس۔۔۔" بڑی ماں نے اسے بالوں سے پکڑ کر زمین پر دے مارا۔

"یہ کل کی چھوکریاں کیسے کیسے کھیل، کھیل رہی ہیں اس حویلی میں۔۔۔ چل ظفر تو بہنوں والا ہے اور بہنوں والوں میں اتنی ہمت تے ہونی چاہیے کہ اوسٹرانڈ مچاتے حصوں کو خود سے کاٹ سکے۔" ظفر پاء جی نے بندوق اسے چھیدنے کو سیدھی کرلی۔ میاں جی اٹھ کھڑے ہوئے۔ چوہدری یعقوب نے دھیما سا منع کیا بس۔

"میاں جی۔۔۔ میاں جی، طارق پاؤ جی نے چوپال میں گھس کے خانوں کے دو جوان پھڑکا دیے ہیں۔ سارے پنڈ میں قہر مچ گیا ہے۔" ملازم کی آواز اور میاں جی کا کہنا۔

"کون سے دو؟" جنت کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

☼ ☼ ☼

ڈھلتی سرخ لوبر ساتی شام میں وہ جاوید کے چھپر تلے بیٹھا، ہولے ہولے گرم قہوہ حلق میں اتار رہا تھا۔ زخم مندمل ہو چکے تھے مگر صرف کچھ زخم۔ ہرمن اسے شہر سے لائے بیج دکھا رہا تھا جب انہیں لگا کسی نے ان کے سر پر کھڑے ہو کر فائر کھول دیا ہو۔ وہ بے ساختہ نیچے ہوئے۔ دو چار منٹ بعد وہ اپنی کونے میں پڑی رائفل تک پہنچا تب تک جوابی فائر ہوئے تھے۔ خاموشی پر وہ بھاگتے ہوئے باہر نکلا۔ اس کے پیچھے دھڑ دھڑ دکانوں کے شٹر گرے تھے۔ چوپال پر ہو کا عالم طاری ہوا صرف پٹھانوں کی پشتو للکاریں۔ وہ بھاگا۔

جلال زمین پر چت لیٹا خون میں لت پت تھا۔ گل باز نے اس کی چھلنی ہوئی قمیص ہاتھوں سے پھاڑی۔ موسیٰ کی سانسیں رک گئیں۔

"لالہ۔" ساڑھے سولہ سالا جلال نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر اس کے تھامنے سے پہلے ہی اس کی آنکھیں بجھ گئیں، ہاتھ واپس زمین پر گرا۔ موسیٰ نے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کے خود کو جھکایا۔ ولایت خان اپنا ہاتھ ہوا میں لہرانے لگے۔ یعنی ختم۔ گل باز سوراخ گننے لگا۔

"چھپن۔۔۔ چھپن گولیاں۔۔۔" موسیٰ نے آنکھیں میچیں۔ گل شیر بھی پہنچا۔ ساتھ کھڑے سعد نے اس کا بازو لرزتے ہاتھوں سے تھاما۔ وہ اٹھارہ سالا سعد کی طرف مڑا۔

"مجھے لگتا ہے کہ مجھے بھی گولی۔۔۔" اس کی بات درمیان میں ہی رہ گئی۔ موسیٰ نے کھینچ کے اس کی قمیص اتاری۔ بائیں پسلی کے پاس ہنا گڑھا۔

"مورے کے پاس لے چلو لالہ۔" وہ جو بمشکل کراہیں چھپائے کھڑا تھا۔ بلبلا اٹھا۔

"گولی نکالو اس کی۔۔۔ گل شیر جیپ نکال۔" ولایت خان نے حکم دیا۔

"نہیں، بس مورے کے پاس چلو۔ جلال کو بھی اٹھالو۔ میں چوک میں مرنا نہیں چاہتا۔" اس کی سانسیں اکھڑ گئیں۔ موسیٰ نے ہرمن کی لائی شراب کی بوتل زخم پر انڈیلی۔ جلد اہلی گولی بھی نکل ہی جاتی اگر جان نہ نکلتی تو۔ گل باز رونے لگا اونچی آواز میں۔ جیپ سے خون رنگ آنکھیں لیے اترتے ضمیر لالہ نے تین چار طمانچے اس کے منہ پر مارے۔

"قتل پر رویا نہیں کرتے نامرد۔ قتل پر رویا نہیں کرتے۔" موسیٰ نے کھڑے ہو کر اپنی رائفل زمین پر ٹکائی۔ آنکھوں کو میچا۔ کیونکہ قتل رونے کے لیے نہیں ہوتے۔

☼ ☼ ☼

رام پور پر جیسے کسی نے قہر پھیر دیا ہو۔ قبرستان سی خاموشی گلیوں میں بین ڈالتی پھرتی۔ چوپال ویران، دکانیں بند، بچے گھروں میں مقفل۔۔۔ صرف خان تھے جو گلیوں میں پاؤں کی دھمک پیدا کرتے ہوئے چلتے۔ پشتو للکاریں لگاتے اور رام پور کے ہر کونے، ہر نکڑ پر کھڑے ہو کر فائرنگ کرتے اور چوہدریوں کو یہ باور کرواتے کہ وہ اب بھی گیارہ موجود ہیں۔

میاں جی نے ظفر اور طارق کو اندرون سندھ اپنے کسی دوست کے ہاں بھیج دیا۔ چھوٹے ماموں اپنے

کسی دوست کے گھر چھپ رہے جو کہ جج تھے۔ میاں جی علاقے کے اثر و رسوخ والے لوگوں سے رابطہ کرنے لگے تاکہ خانوں سے بات چیت ہو سکے۔

ابھی بھی اس واقعے کے پانچویں روز' حسنہ خالہ آئی بیٹھی تھیں اور دبی دبی سرگوشیوں میں برآمدے میں بیٹھیں تپا جی سے باتیں کر رہی تھیں۔

"اب تو ڈر لگتا ہے تپا جی۔۔۔ میں تے پہلے ہی سب کچھ لٹا بیٹھی ہوں صرف ایک پتر ہی بچا ہے۔ یہ ناں ہو کہ کسی دن وہ بھی۔۔۔ خانوں کے ہتھے چڑھ جائے۔" وہ سسکنے لگیں۔ جنت نے خود کو بمشکل کھڑا کیا۔ تپا جی نے اس کا بازو ماجو نائی سے بندھوا دیا تھا۔ گال اور گردن پر بھی مرہم لگایا تھا' کمر اور بازو بھی سینکوائے تھے مگر وہ تو جیسے مرنے کا تہیہ کر چکی تھی۔

"تسی میاں جی سے پوچھ لو کہ میں ادھر حویلی میں ہی رہ لوں کچھ عرصہ' کندو۔۔۔ رات کو ڈر جاتا ہے فائرنگ کی آواز سے۔ تپا جی میرا تو اکلوتا پتر ہے ناں۔۔۔"

"بس کر دیں خالہ۔۔۔" وہ بے ساختہ کہہ گئی۔ "وہ جو دو جوان قتل کیے ہیں ناں اس گھر کے پتروں نے' ان کی بھی تو کوئی ماں ہو گی ناں۔ اب رونے سے بہتر تھا کہ پہلے دن ہی ان کے ہاتھوں سے کلہاڑیاں چھین لیتی تم عورتیں۔"

"تپا جی۔۔۔ اس کی کلف ابھی بھی نہیں ڈھلی؟ یہ سارا عذاب اس کے پلو سے کھنچتا ہی تو رام پور میں آیا ہے۔ اسے کہیں مجھے شکل نہ دکھائے اپنی۔ اس بار تے لوگ ہمارے منہ پر کہہ رہے ہیں کہ لڑائی عورت کی ہے۔"

"یہی تے ہوتا ہے ہر بار۔۔۔ تم دونوں خاندانوں کی عورتوں نے فلاں یہ کہہ رہا تھا اور فلاں نے یہ کہہ دیا' کر کر کے ہی مردوں کو قتلوں تک پہنچا دیا ہے۔ اب تو کچھ عقل کر لو۔ میاں جی کو کہو۔۔۔ سیدھے سے معافی مانگ لیں۔ جیسے تیسے بھی ہو سکے ہرجانہ بھر دیں۔۔۔ ختم کریں اس آکاس بیل جیسی دشمنی کو۔"

وہ ہانپ گئی دہلیز پہ ہاتھ رکھ کے سانس متوازن کرنے لگی۔ اس سے پہلے کہ خالہ کوئی جواب دیتیں۔

بڑی ماں نے لپک کر اس کا بندھا ہوا بازو مروڑ دیا۔ وہ اونچی آواز میں پہلی بار روئی۔

"یہ تو نہیں تیرا غلیظ عشق بول رہا ہے۔" یہ ماں کے ابتدائی الفاظ تھے۔ اس کے بعد انہوں نے اس کی اور موسیٰ کی جو خود ساختہ گھڑی ہوئی داستانیں گلا پھاڑ پھاڑ کر سب ملازموں کو سنائیں تو وہ ڈھے سی گئی۔ چہرہ پھر سے زخمی ہو گیا۔ بازو پھر سے ٹوٹ گیا۔ وہ بولی تو بس اتنا۔۔۔

"وہ مجھے کبھی نہیں چھوڑے گا ماں۔۔۔ بہن چوہدری اپنی فکر کریں۔" ماں ایک بار پھر اس پہ پل پڑیں۔

☼ ☼ ☼

پتھریلی حویلی کے ہر پتھر سے نوحے سنائی دیتے۔ گھڑی گھڑی کسی کونے سے ماں یا بہن کی سسکیاں سنائی دیتیں۔ مرد سر کندھوں میں گرائے گھر میں آتے اور لحظہ بھر رکنے کے بعد واپس ہو لیتے۔ ضمیر خان کی جھڑکیاں دھمکیاں کچھ بھی ان عورتوں کے آنسو خشک نہ کر سکے۔

اندھیرا اترتے ہی ملازماؤں نے بھاگ بھاگ [illegible] روشنیاں روشن کیں مگر اندھیرا ایسے ہی دانت [illegible] رہا۔ جلال اور سعد کے قتل کے بعد موسیٰ پہلی بار گھر آیا۔ سرخ آنکھوں کے ساتھ وہ بی بی جان سے ملا تو وہ رو دیں۔ شمائل زنان خانے سے بھاگتی ہوئی آئی اور اس کے گلے لگ کر دھاڑیں مار مار روئی۔ ضمیر نے کچھ نہ کہا۔ زریاب وہاں سے اٹھ گیا۔ بے شک وہ ظہیر خان کی سب سے بڑی اولاد تھا مگر جو حیثیت موسیٰ کی تھی وہ اس کے حصے میں نہ آ سکی۔ اس نے سرد بھاری آواز میں ماں کو پوچھا۔ شمائل نے بتایا کہ وہ دوا کے زیر اثر سو رہی ہیں۔۔۔ وہ کھانے کے لیے بیٹھ گیا۔

"پھر کیا سوچا موسیٰ خان۔۔۔؟ کیا چوہدریوں کے بلوں سے باہر نکلنے تک ہم یوں ہی بیٹھے رہیں؟" ولایت خان بنگش نے اسے نظروں سے جانچتے ہوئے پوچھا۔ وہ سنجیدہ سا کھانا چھوڑ کر بیٹھ گیا۔

Scanned with CamScanner

"چوہدریوں سے وٹی کروالیں خان۔" وہ حتمی انداز میں بولا۔

"مطلب لوگ غلط نہیں کہہ رہے کہ اس بار لڑائی عورت کی ہے۔" گلزار لالہ نے پھنکار کر کہا ہاتھ مار کر کٹورا زمین پر گرادیا۔

"تو اب خان بھائی مروا کر عورت گھر میں لائیں گے۔" ظہیر نے اسے گریبان سے تھاما۔ وہ چیخا۔

"میں کسی عورت کو نہیں جانتا۔ جس کو جانتا تھا اس کو مرے تو تین چاند ہوگئے (تین ماہ) اب صرف دشمنی ہی سمجھے گی چوہدریوں سے۔ میں نے اپنا فیصلہ کرلیا ضمیر لالہ۔ گلزار لالہ اپنا فیصلہ کرلیں۔ اگر خون ہی چاہیے تو پھر سب سے پہلی گولی میری بندوق سے نکلے گی۔" سب اپنی اپنی جگہ ٹھٹک گئے۔ اتنی سفاکیت تھی اس کے لہجے میں۔ ولایت خان نے سرہلا کر فیصلے کی داد دی۔ وہ اپنے پوتے کو اندر تک پڑھ چکے تھے۔

☼ ☼ ☼

"مجھے کوئی بھی لڑکی نہیں چاہیے۔ مجھے صرف۔۔۔ وہ چاہیے جو چوہدریوں کے دلوں پر پاؤں دھرے کھڑی ہے۔" اس کے جملے نے پنچایت میں موجود ہر شخص کو بغلیں جھانکنے پر مجبور کردیا۔ میاں جی کی تلملاہٹ اسے سکون دے گئی۔

"جنت دا نام بھی نہیں لینا کسی نے۔"

"ٹھیک ہے' پھر یہ فیصلہ بندوق سے ہی کرلیں گے۔"

وہ ساری پنچایت کے سامنے رائفل لہرا کر باہر نکل گیا۔ پنچایت کے سربراہ نذیر وڑائچ نے میاں جی کو سرہلا کر ہاں کہنے کا مشورہ دیا۔ محمود اللہ چوہدری کے کندھے جھک گئے۔

"وہ نواسی ہے میری۔۔۔ میں اس دے باپ کو کیا جواب دوں گا۔" ہولے سے نیم رضامندی دیتے ہوئے کہہ دیا۔

"گھر کی لڑکی ہے محمود اللہ۔۔۔ جو کہیں گے باپ کے سامنے ہی کہہ دے گی۔" نذیر وڑائچ نے نیا سرا تھمادیا۔ پنچایت برخاست ہونے تک سب معاملات ہلکی سی سرد مہری کے ساتھ بخوبی طے پاچکے تھے۔

☼ ☼ ☼

"جنت۔۔۔ تُو "نہ" کہہ دے۔" نیلماں نے بہتی آنکھوں سمیت التجا کی۔ وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھے گئی۔

"میاں جی خود بھریں اپنے لاڈلوں کا کیا۔"

"بشریٰ تے بڑا رو رہی ہوگی؟" اسے سولی چڑھتی بشریٰ کی فکر تھی۔

"اس دا بھرا قاتل ہے دو معصوموں کا۔۔۔ اوتے ساری عمر وی روئے تے کم ہے۔۔۔ تو نے تو بڑی چاہ سے اس سنگلاخ میدان میں باغیچہ بنایا تھا' تجھے اس کے اجڑ جانے کا غم مار دے گا قسم سے۔۔۔ انکار کردے جنت۔"

"بھلا جنت' موسیٰ کو انکار کرسکتی ہے نیلماں؟" اس نے ٹوٹا ہوا بازو سینے سے لگا کر کہا۔ ماں کو بیٹے کی بخشش کا یقین ہوا تو آپا جی نے جنت کا بازو پھر سے بندھوادیا۔ مگر جنت کی کراہیں پھر بھی کم نہ ہوئیں مگر آج دوپہر سے وہ چپ ہوگئی تھی۔۔۔ مکمل چپ۔

"جنت تو سمجھتی نہیں۔۔۔ تیرا موسیٰ تو اس دن پرانی حویلی کے کھنڈر میں ہی مرگیا تھا۔۔۔ اب تو صرف سفاک دشمن ہوگا وہاں اس کی جگہ۔"

"چل دشمن ہی سہی۔۔۔ جنت روز دیکھ تو لیا کرے گی ناں اسے۔۔۔ سانس تو آسانی سے آئے گی ناں۔" وہ بدقت مسکرائی بھی۔ آپا جی ڈولتے قدموں سے اندر آئیں۔ خالہ اور چھوٹی ممانی بھی ساتھ تھیں۔ وہ سیدھی ہوئی۔ آپا جی نے ہاتھ میں پکڑا سرخ زرتار دوپٹا کانپتے ہاتھوں سے اسے اوڑھایا تو خالہ پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے پلنگ کے پاس ڈھے گئیں۔

"جنت تیرے دل نے تجھے اجاڑ دیا۔۔۔ تجھے سیاہ بخت کردیا۔" آپا جی اسے لپٹا کر بے ساختہ چومنے لگیں۔ پلنگ سے نیچے جھولتی اس کی گندھی ہوئی چوٹی کو چومنے لگیں۔ جنت گھبرا گئی پھر رونے لگی۔

Scanned with CamScanner

"مجھے معاف کردیں آپا جی۔۔" اس کی آواز سرگوشی سے بلند نہ تھی۔ اب اس میں بات کرنے کی سکت نہ بچی تھی۔ بڑی ماں بشریٰ کو چادر اوڑھا کر لے آئیں' جو ہچکیوں سے روتے ہوئے سب کے گلے لگ رہی تھی۔ میاں جی نے پیغام بھیج دیا تو سب عورتیں گھٹ گھٹ کر روتے ہوئے حویلی کے بیرونی دروازے تک آئیں۔ جنت نے جیپ میں بیٹھ کر آخری بار مڑ کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں نے نیلماں کے لیے پیغام چھوڑا تھا۔

تو نے دیکھی ہے وہ پیشانی وہ رخسار وہ ہونٹ
زندگی جن کے تصور میں لٹادی ہم نے
تجھ پہ اٹھی ہیں وہ کھوئی ہوئی ساحر آنکھیں
تجھ کو معلوم ہے کیوں عمر گنوادی ہم نے

اور نیلماں نے ہار مان لی۔

☼ ☼ ☼

جنت نے سر اٹھا کر پتھریلی راہداریوں والی' بھول بھلیوں جیسی حویلی کو دیکھا۔ جس کے مکین گاڑیوں کے دروازے دھڑ دھڑ بند کرتے ہوئے خود کہیں غائب سے ہوگئے۔ بشریٰ کی ہچکیاں ابھی بھی فضا میں اٹھتیں۔ جنت کو خود سے آٹھ ماہ چھوٹی بشریٰ کی قسمت پہ خود سے زیادہ رونا آیا۔

مسجد میں نکاح کے دوران گل باز کے نہ پہنچنے پر گل شیر کو بازو سے تھام کر آگے کردیا گیا تو بشریٰ کا نصیب وہی بن گیا۔۔ موئی جانے کب آیا۔ حلف اٹھانے سے دو سیکنڈ پہلے مجید بھاگ کر شور مچا گیا۔

"خانوں کی پکی گندم کو آگ لگ گئی۔" حلف کہیں کونے میں ساکن ہی رہ گیا اور خان لڑکیاں لے کر حویلی آگئے۔ جنت نے لمحوں میں حساب لگالیا۔ کوئی آگ نہ تھی۔۔ اگر تھی بھی تو اتنی معمولی کہ ملازم ہی بجھا دیتے۔ خان حلف دینے سے بچ گیا۔

"چلونی اندر۔۔ تمہاری ڈولی اٹھانے کوئی بھائی نہ آسکا اب خان کیا اٹھائیں گے۔۔ چلو بھگتو اپنے بھائیوں کا کیا دھرا۔"

لحیم شحیم ملازمہ نے ان دونوں کو اندر دھکیلا۔ بشریٰ نے اس کا بازو تھام لیا۔ یہ حویلی 'پکی حویلی' سے کئی گنا بڑی اور آراستہ تھی۔ کسی محل جیسی چکنی۔۔ حویلی کے قطار در قطار بنے کمروں میں سے خواتین کے رونے کی آواز آرہی تھی۔ مرد کونے میں بنے باورچی خانے کے باہر چوکور تھڑے پر موڑھوں پہ بیٹھے شاید کھانا کھا رہے تھے۔ ملازمائیں رک رک کر انہیں دیکھ رہی تھیں۔ جنت کو لگا کہ اب اسے رونا چاہیے۔

یکایک ایک کمرے کا دروازہ دھاڑ سے کھلا اور ایک ادھیڑ عمر عورت روتی ہوئی باہر نکلی پیچھے کتنی ہی عورتیں تھیں۔ اس عورت نے جھپٹ کر ان دونوں کی چادریں اتاریں۔ بشریٰ کے رونے میں روانی آگئی۔۔ جنت مزید سرد ہوگئی۔ سر سے چادر تو کبھی نہ اتری تھی اس کے۔

"قینچی لاؤ۔۔ ان کی حویلی تحفہ بھیجنا ہے۔" وہ عورت پھنکاری۔

"زلیخا۔۔ چھوڑ دے رحم کر۔" ایک بوڑھی کی آواز نے تنبیہہ کی۔ جواباً" وہ عورت پشتو میں چیخنے لگی۔ جنت نے بڑھ کر چادر اٹھانا چاہی تو ملازمہ نے پاؤں سے چادر کو دور کردیا۔ جنت کی آنکھیں جلنے لگیں۔ دوسری ملازمہ قینچی لے آئی۔

"زبان کاٹوں کہ چوٹی؟" اس عورت نے جنت پہ آنکھیں گاڑتے ہوئے پوچھا۔ وہ چپ رہی۔ بدن باقاعدہ کپکپانے لگا۔

"بول کمزات۔۔" اس عورت نے جنت کی ہنسلی پر دباؤ دے کر پیچھے دھکیلا اس کا بازو پھر ادھڑ گیا۔ اس کی کراہیں ہر ذی نفس نے سنیں۔

"اسے کچھ نہ کہو۔"

بشریٰ کی مردہ آواز۔۔

"کیا کاٹوں؟"

"زبان۔" جنت نے بمشکل کہا۔ وہ عورت پیچھے کھڑی عورتوں سے مخاطب ہوئی۔

"چھیدر ائن ہے پوری۔۔ چوٹی کٹنے کا مطلب جانتی ہے۔" جنت کو کچھ یاد آیا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر مردوں

میں دیکھاوہ کہیں نہ تھا۔ عورت نے جنت کو اسی بازو سے پکڑ کر اٹھایا تو وہ باقاعدہ کراہی۔

"اسے کچھ نہ کو۔۔ اس کا بازو۔"

"چل ٹھیک ہے پہلے تیری چوٹی کاٹتے ہیں۔" بشریٰ کو دو ملازماؤں نے دبوچ لیا۔ جنت میں کرنٹ دوڑ گیا۔

"نہیں کرو۔ اللہ کا واسطہ۔ کوئی ہور ظلم کرلو پریوں بے عزت مت کرو۔۔ چھوڑ دو اسے۔"

وہ اپنی تکلیف بھلائے بشریٰ سے لپٹ گئی۔ عجب ہنگامہ مچ گیا۔ بشریٰ اپنی چوٹی چھڑا رہی تھی۔ بلبلا رہی تھی۔ اس کا رونا بین میں بدل گیا۔

"پہلے اسے پکڑو۔۔ چھوڑا سے۔" عورت نے حکم بدلا۔ وہ جیسے ان کا تڑپنا دیکھ رہی تھی۔ کرنا تو اس نے وہی تھا۔ جو وہ ٹھان چکی تھی۔ ملازماؤں نے اس کے بازو پیچھے کو موڑے۔ چوٹی پکڑ کر آگے کر دی۔

"نہ کرو اللہ کا واسطہ۔ ایسے ذلیل نہ کرو۔ کوئی روکو۔۔ موسیٰ۔۔ موسیٰ؟"

اس نے زور زور سے اسے پکارا۔ عورتیں تھمیں۔ پھر وہ بڑی مامی جیسی ظالم عورت نے جنت کو پے در پے طمانچے مارے۔

"نام کیسے لیا خان کا؟ تجھے لگتا ہے کہ اس حویلی میں وہی طریقے دہرائے جائیں گے جو ادھر دوسرے سرے کی حویلی میں دہرائے جاتے ہیں۔ آج کے بعد نام نہ لینا اس کا۔" قینچی نے اپنا منہ کھول دیا۔ جنت میں مزاحمت کا حوصلہ نہ رہا۔

"بی بی چھوڑ دیں انہیں۔" کوئی دروازے سے ابھی ابھی آیا۔ "خدارا کچھ تو رحم کریں۔ میں نے کہا چھوڑ دیں۔"

زریاب نے آگے بڑھ کر قینچی چھین لی۔

"کیوں خدا بن رہے ہیں آپ سب؟ مانا کہ ان کے بھائیوں نے ظلم کیا مگر اس سب میں ان کا کیا قصور کہ آپ لوگوں نے بنا ان کا خود سے رشتہ دیکھے ان کی چادریں چھین لیں۔۔ چوٹی تک کاٹنے کو آگئیں۔۔ بند کریں یہ ڈراما۔"

"اور تم۔" وہ مردوں کی طرف مڑا۔ "تم لوگ کب سے اتنے بے اختیار ہو گئے کہ گھر کی عورتوں کی آوازیں ان دیواروں سے باہر نکل گئیں۔ عورتوں کو ایسے فیصلوں کا اختیار کب سے دیا جانے لگا اس حویلی میں۔۔ آپ جائیں بی بی جان یہاں سے بس ختم کریں یہ سب۔" زریاب نے اپنی بڑی تائی کو درشت لہجے میں کہا تو وہ دل میں غضب بھرے واپس مڑیں۔ باقی خواتین بھی چلی گئیں۔

"رخسانہ۔۔ انہیں چھوڑ کے آؤ ان کے ٹھکانے پر۔" وہ بوڑھی سی آواز ایک بار پھر ابھری۔ بشریٰ نے روتے ہوئے جنت کی چادر اٹھائی۔ سر ڈھانپتے ہوئے جنت نے ستون سے ٹیک لگائے کھڑے موسیٰ خان کو دیکھا۔ بازو کا درد جان لیوا ہو گیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی جیسے اسے موسیٰ کے مرنے کا یقین اب آیا ہو۔ ملازماؤں نے تاسف سے صحن کے بیچوں بیچ لٹی پٹی بیٹھی اس لڑکی کو دیکھا وہ پاؤں کی دھمک پیدا کرتا قریب سے گزر کر آگے بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼

وقت نے اپنی جھولی میں موجود ہر قہر جیسے ان پر الٹا دیا ہو۔ دن اتنے ویران ہو گئے کہ پر بہار دنوں کی یادیں بھی جنت فاطمہ چوہدری کی یادداشت سے مٹنے لگیں۔

انہیں پتھریلی حویلی آئے ہفتہ ہو گیا۔ جنت اپنا ٹوٹا بازو باندھے باندیوں کی طرح ان خوب صورت ترین سنگی مجسموں جیسی عورتوں کے سامنے کھڑی رہتی۔ اور وہ عورتیں تھیں کہ ان کا جی نہ بھرتا ان کو اذیت دے دے کر۔ وہ پشتو میں کچھ لانے کو کہتیں تو وہ دونوں بے بسی سے باورچی خانے آتیں۔ سمجھ کے مطابق کوئی چیز اٹھا کے لے جاتیں تو تو وہ کیم شحیم ملازمہ چوٹی کو جھٹکا دے کر دوبارہ باورچی خانے بھیجتی۔۔ اور یوں وہ دونوں باورچی خانے کی ایک ایک شے باری باری لاتے مرنے کو ہو جاتیں۔ سارا باورچی خانہ الٹ جاتا مگر وہ نیلی و سبز آنکھوں والی برف سے سفید اور ملائی سے ملائم عورتیں مطمئن نہ ہوپاتیں۔

ان دونوں کو حویلی کے پچھواڑے میں بنے تاریک

Scanned with CamScanner

بوسیدہ کمرے میں خشک گھاس پر سونا پڑتا۔ یہ اور بات کہ زندگی نے نیند نامی مسرت بھی ان سے ادھار دی گئی شے کی طرح واپس لے لی۔ جون کے گرم ترین دن اور رات بغیر پنکھے کی سہولت کے وہ دونوں ساری رات مچھروں کو اپنا خون چوس لینے کے لیے آزاد چھوڑ دیتیں۔ پانچویں روز رات کو جب وہ دونوں مخالف کونوں میں بیٹھی ٹوٹے کواڑوں سے جھانکتی چاندنی کو دیکھ رہی تھیں تو دروازے پر ارشاد کا ہیولہ آن ٹکا تھا۔ اس نے ہاتھ سے بشریٰ کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ سہم کر جنت کے قریب ہو گئی۔

"اٹھ بھئی ادھر باہیں رخ کے تیسرے حجرے میں تیرا سائیں بلا رہا ہے۔ قسمت بدل لے اپنی۔ چل شاواش جلدی کر۔"

بشریٰ نے جنت کا بازو کس کے پکڑ لیا۔ اب وہ اپنے مخصوص دھپ دھپ کرتے انداز میں آئی اور بشریٰ کو چوٹی سے گھسیٹتی لے گئی۔ اب جنت کا بازو ہولے ہولے جواب دے رہا تھا ساتھ ہی ساتھ ہمت بھی۔ اس نے تھک کر آنسوؤں کو باہر آنے دیا۔ موسیٰ اس دن کے بعد سے اسے نظر ہی نہ آیا تھا اور وہ جو کہتی تھی کہ چل جنت روز دیکھ تو لیا کرے گی اسے۔۔۔ اب تنہا بیٹھی دیواریں ٹٹول رہی تھی اور رام پور کے گیدڑوں کے بین اس کے کانوں میں خوف انڈیل رہے تھے۔

ساتویں دن کی دوپہر کو اس نے موسیٰ ولایت خان بنگش کی ماں کو دیکھا تھا۔ وہ اتنی خوب صورت عورت تھی کہ جنت بازو کی تکلیف بھول گئی۔ اتنی نرم تھی کہ اسے گئے دنوں کی اذیت میں کچھ کمی سی لگی۔ وہ بس اپنے کمرے میں ہی رہتیں۔ حویلی میں جتنا بھی تماشا ہو جاتا وہ باہر نکل کر نہ دیکھتیں۔ ارشاد نے ٹرے جب اسے یہ کہہ کر تھمائی کہ "ساس کو کھانا دے آ" تو جہاں باقی ملازمائیں دبا دبا ہنسیں، وہیں جنت کا سانس رک گیا۔ جلال خان مقتول کی تائی نے میرا یہ حال کر دیا تو ماں کیا کرے گی۔

"یہ کون ہے؟" سر پر دوپٹہ جماتے ہوئے اس عورت نے شمائل ظہیر خان سے پوچھا۔

"جنت۔" شمائل کا بے تاثر سا یک لفظی جواب۔ ٹرے اس کے ہاتھ میں کپکپائی۔ خدیجہ نے سر سے پاؤں تک اسے دیکھا اور رخ موڑ کے شمائل سے پوچھا۔

"موسیٰ نہیں آیا؟" شمائل نے جانے کیا کہا کیونکہ وہ ٹرے رکھ کر تیزی سے باہر نکلی تھی، تو موسیٰ خان نے بے وقعت کرنا ماں سے سیکھا ہے۔ نہ لعنت نہ ملامت۔۔۔ بس تغافل۔ کیسا عذاب جیسا تغافل۔

☆ ☆ ☆

صندلی کا بس نہ چلتا جنت کو تیزاب کے ٹب میں بھگو دے۔ پہلے دن ہی اسے سر تا پاؤں دیکھ کر بولی۔

"نہ آنکھ زمرد، نہ ہونٹ مرجان، نہ روپ کچے ناریل سا۔ تجھے دیکھ کر لگتا تے نئیں کہ تو نے دو جوان بندے سالم کھا لیے۔ ڈائن۔" جنت نے تب سے اب تک گردن جھکا کر خود کو اس سے بے عزت ہوتے ہی پایا۔ وہ خوف زدہ ہوئی تھی۔ اگر کسی کو پتا چل جاتا کہ قتل کیوں ہوئے تو وہ اس کی روح تک میں سوئیاں چبھو دیتے۔

رات سب خان زادے کھانا کھا رہے تھے۔ برتنوں کی مخصوص آوازوں کے علاوہ کسی آواز کو ابھرنے کی جرأت نہ تھی۔ موسی اور گل باز آج گھر آئے تھے ڈیرے سے۔ صندلی بھاگم بھاگ کٹوریاں ان کے آگے سجائے جاتی، آبخورے لبالب بھرے جاتی۔ بشریٰ گل شیر کے موڑھے کے ساتھ دبکی بیٹھی تھی کیونکہ اس کے دوپٹے کا پلو گل شیر کے موڑھے کے پائے تلے تھا۔ بشریٰ کو تھکان سے بچانے کی ایک سعی۔۔۔ جنت کو بشریٰ پر رشک آیا۔ وہ کٹوریاں ارشاد کے آگے کیے جاتی اور ارشاد انہیں بھرے جاتی۔ بی بی جان کے لیے ٹرے ایک ہاتھ سے انہیں پہنچا کر وہ لوٹی تو صندلی جان بوجھ کر اس سے ٹکرائی۔ جنت گرا ہی۔۔۔ ایک ہاتھ تھما پھرا گلے ہی لمحے پھر سے مصروف ہو گیا۔ وہ وہیں کھڑی رہی۔ صندلی آئی گئی پھر طیش سے اس پر الٹی۔

Scanned with CamScanner

"اب ادھر کھڑی میری شکل کیا دیکھ رہی ہیں چوہدرائن صاحب۔ ادھر کو مڑیں ابھی بڑا کام ہے۔"

"میں اس لیے کھڑی ہوں کہ میری ٹوٹی ہوئی ہڈی کو دوبارہ اس کی جگہ سے کھسکانے کے لیے تمہیں تردد نہ کرنا پڑے۔" وہ بھی بلبلا کر بولی۔ اک لمحے کو سب نے سر اٹھا کر دیکھا۔ موسیٰ کو جانے کیا ہوا۔ اس نے آبخورہ صندلی کے پاؤں میں دے مارا۔ کٹوری الٹ دی موڑھے کو لات رسید کردی۔

"یہ لڑکی مجھے حویلی میں نظر نہ آئے۔ فصلوں پہ لگاؤ اسے۔ کٹوری میں کبھی بال نکلتا ہے کبھی آبخورے میں تنکا۔ یہ جنگلوں کی باسی ادھر سبزیاں توڑتی ہی بھلی ہے۔ نظر نہ آئے یہ مجھے ادھر ارشاد۔"

"معافی چاہتی ہوں خان۔ غلطی ہوگئی۔ معاف کردیں۔"

"دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔" وہ دھاڑا۔ رات دیر تک جب وہ کام نبٹاتی پھر رہی تھیں تو ولایت خان بنگش نے بستر گاتی جنت کو دیکھ کر کہا۔

"یہ بچی بازو کو سیدھا کیوں نہیں کر رہی۔" بی بی جان کے پاؤں دباتی بشریٰ نے موقع غنیمت جان کر بازو ٹوٹنے کا بتادیا۔ اگلے دن دوپہر تک اس کے بازو کی ہڈی نے واپس اپنی جگہ لے لی تھی اور لکڑی کی تختیوں میں محفوظ اس کے بازو کا مستقل درد بس ہلکی سی ٹیس میں بدل چکا تھا۔

"تو ثریا کی بیٹی ہے ناں؟" بی بی جان نے سیاہ چادر کو اس کے چہرے سے ہٹاتے ہوئے پوچھا۔ جگ سے پانی انڈیلتا ہاتھ ساکت ہوا' پھر رواں۔

"جی ہاں۔" خدیجہ نے تسبیح روک کر اسے دیکھا۔ آج خان زادیاں برآمدوں میں رونق افروز تھیں۔

"ہوں۔ ویسا ہی رنگ روپ' کجری آنکھیں' یہ لمبی چوٹی۔ ہاہ مگر تیری قسمت۔ تیری ماں کی بارات میں بارہ پنڈوں (گاؤں) کے چوہدری آئے تھے۔ یہ تاریخی شکار ہوا تھا۔ ہک ہاہ۔ چل خیر۔ میرا پوتا دی اس سلطنت کا شہزادہ ہے۔ آئی پر آگیا تو ملکہ بنادے گا۔ اللہ دلوں میں محبت ڈالنے والا ہے۔" وہ نامحسوس طریقے سے دعا دے رہی تھیں۔ جنت نے بشریٰ کا گلال چہرہ دیکھا تو گل شیر کی خاموش محبت کامیاب ٹھہری۔

"آپ کو رشتہ داریاں نکالنے کی ضرورت نہیں بی بی جان۔ چوہدریوں نے ہر بار ڈسا ہے ہمیں۔ ضروری نہیں کہ ہر ونی ہوئی لڑکی آپ کی طرح سلطنت سنبھال بیٹھے۔" رومانہ تائی کی آواز پر وہ زرد ہوگئی۔ سرمدان کا چھوٹا بیٹا تھا۔ بے تحاشا لاڈلا نہ سہی' مگر جوان بیٹا ضرور تھا۔ پھر موسیٰ خان رومانہ کی دوسرے نمبر کی بیٹی شازمین سے منسوب تھا کم از کم ان کی نظر میں۔ خدیجہ شروع سے لاتعلق رہیں۔ ظہیر خان کی اولاد میں سے موسیٰ خان ہی فیصلے کا ملک تھا۔ اس حوالے سے انہیں جنت سے شدید نفرت محسوس ہوتی۔ شدید حالات میں بھی اک وقار تھا اس میں۔ جب کہ بشریٰ مرنجاں مرنج قسم کی تھی۔ گل شیر نے ماں کو پسندیدگی کا بتا کر اسے بیوی کا رتبہ دے ڈالا' مگر موسیٰ کا کریز بھانپتے ہوئے وہ شیر ہوگئیں۔ خدیجہ تو ویسے بھی کمرے تک ہی محدود تھیں۔ وہ جنت کو چھوٹی چھوٹی بات پر سزا دیتیں۔ جولائی کے شدید گرم دنوں میں وہ اسے ننگے پاؤں سرخ پتھریلی روشوں پر مسلسل چلنے کی سزا دیتیں۔ اس کا کھانا بند کردیتیں۔ رات باتھ روم میں بند کروادیتیں۔ اکثر بشریٰ بھی ساتھ ہوتی' مگر بشریٰ کی باتوں سے لگتا کہ اس کی جان جلد چھوٹنے والی ہے۔ گل شیر کوئی قدم اٹھانے ہی والا ہے۔

رومانہ نے ایک دن جنت کو بغور دیکھ لیا۔ "یہ کاجل کہاں سے لگایا؟" اس کی چادر کھینچ لی۔ چہرہ سختی سے اوپر اٹھا کر معائنہ کیا۔ کمرے میں سویا موسیٰ شور پر جاگا۔ سر اٹھا کر کھڑکی سے جھانکا۔

"غضب خدا کا۔ ونی آئی لڑکی' مردوں سے بھرا گھر اور اس کی آنکھ میں یہ خماری کی لکیر تو دیکھو۔ بتا مجھے کہاں سے لیا یہ کاجل۔" اس کی کلائی موڑ کے کمر پر ٹکائی رخ بالکل کھڑکی کی طرف مڑ گیا۔

"یہ ایسی ہی۔" چٹاخ سے تھپڑ پڑا۔ چوٹی کو جھٹکا لگا۔

"جھوٹ بکتی ہے۔ بھلا ایسی دھار ہوتی ہے

Scanned with CamScanner

آنکھوں میں۔ چل دھو کر آ میرے سامنے۔ آنکھوں کے اندر تک صابن لگا ابھی دیکھ صاف ہوتی ہے لکیر کہ نہیں چل۔"

اب وہ ایک ہاتھ سے ہاتھ والا نلکا چلاتی' ایک ہی ہاتھ سے منہ پر چھپاکے مارتی پھر اسی ہاتھ سے آنکھوں میں صابن لگاتی۔ اذیت دوہری' تہری ہو جاتی۔ چہرہ دھلا۔ سرخ آنکھوں اور سیاہ دھاری کے ساتھ وہ پھر سے ان کے سامنے کھڑی تھی۔ موسیٰ کھڑکی میں آن کھڑا ہوا۔ رومانہ نے پھر اس کی درگت بنائی واپس غسل خانے کو دھکیلا۔

آنکھوں میں پھر سے صابن گیا اور اس بار وہ بہتی آنکھوں سے واپس آئی دھار پھر بھی ویسی ہی تھی۔ رومانہ نے غصے سے اس کی گردن دبوچی اور اوپلوں کے دھویں سے تاریک ہوئے تندور میں گھسیڑ دی۔

"اب جب کوئی نقش نہ رہے گا ناں چہرے پر تب وہ لکیر بھی مٹ جائے گی۔"

"کیا ہو رہا ہے یہ سب؟ کیا کوئی دو گھڑی چین نہیں لے سکتا اس گھر میں۔ کیا تماشا لگا ہوا ہے یہاں۔ ہاں؟" موسیٰ قمیص پہنتا ہوا طیش میں باہر نکلا۔ رومانہ کا ہاتھ ڈھیلا ہوا تو جنت تڑپ کے دھویں سے دور ہوئی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔ وہ وہیں گرم تندور سے ٹیک لگا کر کھانسنے لگی۔ شدید کھانسی سے اس کا سانس الٹ گیا۔

"تم سب دفع ہو اپنے کاموں پر۔" ملازمائیں کھسکیں۔

"ویسے مورے۔" وہ قدم قدم چلتا رومانہ تک آیا۔ "چوہدریوں کا خون "وہ" ہے۔" اس نے بشریٰ کی طرف اشارہ کیا اور تیز قدموں سے چلتا باہر نکل گیا۔ دریچے سے دیکھتی شمائل نے مسکرا کر ٹھنڈی سانس بھری۔ رومانہ تپ کے رہ گئیں۔ بشریٰ جنت کو اٹھا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

شدید گرمی میں سب کے بستر بڑی چھت پر لگ گئے۔ مرد عموماً" ڈیرے پر ہی سوتے صرف اکا دکا اگر اپنی مرضی سے رکنا چاہتا تو ہی حویلی میں رکتا۔ جنت نے اپنے دوپٹے سے چہرے کا پسینہ صاف کیا اور دوپٹہ اتار کر گھاس پر رکھ دیا۔ بے خبر سوئی بشریٰ پر رشک کیا۔ ساتھ ہی ساتھ اپنے خشک ہوتے گلے کو بھی تر کیا' مگر شدید پیاس کا احساس ہر شے پر حاوی ہو رہا تھا۔ بالآخر وہ دوپٹہ اوڑھتی باہر نکلی۔ چھت سے باتوں اور ہنسی کی آوازیں برابر آ رہی تھیں۔ وہ باورچی خانے میں نہیں جا سکتی تھی۔ اس لیے غسل خانے کی طرف آئی۔ قدم ہولے ہولے دھرے۔ کوئی دیکھ لیتا تو سزا کے طور پر ساری رات پیاسا ہی رکھتا۔ آخری کمرے سے رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ جیسے کوئی گھٹ گھٹ کر روتے ہوئے بول رہا ہو۔ دفعتاً" اسے لگا یہ خدیجہ خاتون کی آواز ہے۔ وہ لاشعوری طور پر ادھر متوجہ ہوئی۔ شعور نے قدم بھی اسی جانب موڑ دیے۔

"اب کیوں آئے ہو میرے پاس؟ اب جب میری گود سونی ہو گئی تو خود کو بہلاوا بنا کر پیش کیوں کر رہے ہو' تب کیوں نہ آئے جب میں ہر شام تمہارے لوٹنے کا انتظار کانٹوں پر چل کے کرتی تھی۔" خدیجہ روتے ہوئے موسیٰ سے ہاتھ چھڑا رہی تھیں۔ موسیٰ کی پشت تھی' مگر اسے لگا وہ رو رہا ہے۔

"جب میں باقی آنکھوں کو آتے دیکھتی تو میری مامتا خود بخود نیم مردہ ہو جاتی' مگر تمہیں تو شوق تھا بندوقیں چلانے کا یا پھر کہانیاں سننے کا۔ تم ہفتوں گھر نہ آتے۔ ایسے میں' میں نے ایک اور اولاد کی دعا کی تھی۔ جو رد نہ ہوئی۔ مگر تم نے میری جلال نامی خوشی بھی چھین لی۔ موسیٰ تمہاری محبت نے مجھے ہمیشہ محرومیاں دیں۔ تمہاری پہلی محبت دشمنی تھی' بندوق تھی۔ اس محبت نے مجھ سے زریاب کے ساتھ موسیٰ بھی چھین لیا۔ اور دوسری محبت نے جلال چھین لیا۔ میں کہتی تھی وہ لڑکی اتنے بختوں والی ہوئی تو ماں باپ کے گھر راج کرتی۔" جنت کو کسی نے آگ میں ڈال دیا۔ جیسے وہ دہلیز تھام کے رہ گئی۔

"اب جب میں خالی ہو گئی تو میں تمہیں کیونکر یاد

Scanned with CamScanner

آگئی۔ اب جب تمہارے پاس سب ہے۔ بندوق بھی۔ اور "وہ" بھی۔"

"نہیں ہے کچھ۔ کچھ بھی نہیں ہے۔ مجھے لگتا ہے میری سانس رک جائے گی مورے۔ مجھے لگتا ہے میرا دماغ پھٹ جائے گا۔" وہ بچوں کی طرح روتے ہوئے خدیجہ کی گود میں منہ چھپا گیا۔ دیوار پار کھڑی جنت کو اس کی بات پر کسی تصدیق کی ضرورت نہ تھی۔ آنسوؤں کی قطاریں لگ گئیں۔

"میں دن بدن مر رہا ہوں۔ جینا چاہتا ہوں، مگر مجھے جلال کی آنکھوں میں جینے کی چاہت، جینے نہیں دیتی مورے۔ ہاں میں سنتا تھا کہانیاں۔ ایسی کہانیاں جس میں شہزادے کو قلعے میں قید شہزادی سے ہی محبت ہوتی تھی یا پھر کسی جادو کے زیر اثر سوتی شہزادی سے یا پھر سوتیلی ماں کا ظلم سہتی شہزادی سے۔ حالانکہ دنیا بھری ہوئی ہے لڑکیوں سے۔ جوان ہوا، اسے دیکھا تو خود کو طلسماتی کہانی کا شہزادہ ہی سمجھا۔ پاگل تھا، یہ نہ سمجھ سکا اگر کہانیوں کی طرح زندگی بھی "سب اچھا ہے" کے اصول پر چلتی رہے تو لوگ اپنے بچوں کو شہزادوں کی کہانیاں نہ سنائیں بلکہ اپنی آپ بیتی ہی سنائیں۔ سچ میں پاگل ہی تو تھا۔"

"آپ کو یاد ہے مورے۔ جب ہم اسلام آباد گئے تھے زریاب کے کالج کے لیے تو ایک دن میں نے آپ کے کچھ پیسے چرا لیے تھے۔ بابا نے مجھے کچھ نہ کہا۔ صرف اتنا کہا کہ جو چیزیں میں نے ان پیسوں سے خریدی تھیں وہ زریاب اور جلال میں بانٹ دیں۔ مورے میں آج تک اس تکلیف کا اثر خود میں پاتا ہوں۔ جو چیز نہ ملے ہم چار دن میں رو دھو کر اسے بھول جاتے ہیں اور جو مل جائے اسے تو دو دن میں ہی بھول جاتے ہیں، مگر چیز مل کے بھی نہ ملے وہ چیز ایک مہلک ناسور بن جاتی ہے۔ سمجھیں دیمک بن جاتی ہے۔ آپ کہتی ہیں کہ سب کچھ تو ہے میرے پاس، مگر آپ نے یہ نہیں دیکھا مورے کہ میں نے خود کو بابا والی سزا دوبارہ دی ہے۔ میں ساری عمر اسے سامنے رکھوں گا، مگر اپنے بھائی کا اٹھا ہوا ہاتھ کبھی نہیں بھولوں گا۔ میں کبھی اسے اپنا نہیں پاؤں گا مورے۔

رہی بات آپ سے جلال کے چھن جانے کی تو میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اس کے قاتلوں کی نسل میں کسی مرد کو نہیں چھوڑوں گا اور اس بات کی تصدیق بھی جلد ہی ہو جائے گی۔" وہ بات مکمل کر کے خدیجہ کی سنے بغیر دہلیز پار کر گیا۔ جنت کو یوں نظر انداز کیا گویا وہ کہیں موجود ہی نہ ہو۔ وہ خود سے کیے سارے وعدے توڑ کر آگے بڑھی۔

"موسیٰ!" وہ رکا، مگر مڑا نہیں۔ وہ اس کے سامنے آئی۔

"طارق نے ہمیشہ سے کہا ہے کہ اس نے گولیاں نہیں چلائیں وہ تو۔"

"ہونہہ، طارق چوہدری کی منگیتر کے دلائل تو سنو خان صاحب۔"

"اب تو سورج پچھم سے بھی نکال لائے تو موسیٰ خان پھر بھی یقین نہ کرے۔"

"موسیٰ اک بار سن تو لے۔" جنت نے ہاتھ بڑھا کر اسے آگے بڑھنے سے روکا۔ موسیٰ نے وہی ہاتھ زور سے تھاما۔

"ہوں ں ں۔ تو اس ہاتھ کی اس انگلی پر پہنی تھی اس چوہدری کے نام کی انگوٹھی۔" اس نے انگلی کو موڑا جنت کو تکلیف ہوئی۔ "اگر یہ انگلی ہی توڑ دوں تو کسی بل میں چھپے طارق چوہدری کو کتنی تکلیف ہوگی ناں؟"

"میری ہر تکلیف موسیٰ خان کو ہوتی ہے۔ طارق کو نہیں۔" جانے کس زعم میں اس نے یہ بات کہہ دی۔ موسیٰ نے جیسے مدتوں بعد اس کے چہرے پر نگاہیں گاڑیں۔ پھر یکایک دیوانگی سے انگلی موڑ دی۔ درد کی لہر جنت کے خون میں دوڑتی سارے بدن میں چکر لگانے لگی۔ آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"میرے بھائیوں نے کچھ نہیں کیا موسیٰ۔ آنکھیں کھول کے دیکھو تو۔"

"وہ جس گوٹھ کے والی کے پاس چھپے بیٹھے ہیں ناں، وہ میرے باپ کے ماتحت کام کرتا رہا ہے اسلام آباد

Scanned with CamScanner

میں۔ میرا ایک پیغام ملا نہیں اور تیرے "معصوم" بھائی نامعلوم قبروں میں منتقل ہوئے نہیں جنت فاطمہ چوہدری۔ تجھے کیا لگتا ہے کہ تو مجھے اتنی پیاری ہے کہ میں دو بھائی قتل کروا کے تجھے ونی کروا دوں اور پھر سب بھول بھال خوش باش ہو جاؤں۔۔۔ آج تو میرے سے بات کرنے کی جرأت کرلی تو نے آئندہ کبھی یوں روکا تو میں خدیجہ خاتون کی تربیت بھول جاؤں گا اور صرف جلال مقتول کا بھائی رہ جاؤں گا۔۔۔ اب جاؤ یہاں سے اور ہاں بھائیوں کے مرنے کی خبر سب سے پہلے تمہیں ہی ملے گی۔" وہ پاؤں کی دھمک پیدا کرتا ہوا آگے بڑھ گیا اور جنت نے دھندلی آنکھوں سے بے جان ہوئی انگلی کو جانچا۔

☼ ☼ ☼

صندلی بالآخر اس پر مہربان ہو ہی گئی تھی۔ اب وہ اکثر چپکے چپکے اسے کھانے کو کچھ دے دیتی یا اس کے حصے کا کام بھی کر دیتی۔ جب گل باز گھر آتا تو اسے آگے پیچھے کر دیتی کیونکہ وہ جنت کو کچھ پراسرار سا دیکھتا۔ اس دن بھی جنت نے صندلی کی منت سماجت کے بعد گڈو کو ملنے بلایا تھا حالانکہ صندلی نے کتنا منع کیا تھا۔

اب جب جنت نے حویلی کے پھاٹک پر تماشا لگا ہوا دیکھا تو بھاگتی ہوئی ملازموں کے ہجوم میں آگھسی۔ ذرا سی دیر میں خاتون بی بی کے حکم پر ملازم گڈو کی کھال کھینچ لینے کے درپے تھے۔ گڈو زرد سا زمین پر بیٹھا پٹ رہا تھا۔

"اس نے کیا کیا ہے۔۔۔ چھوڑو اسے۔" وہ ملازموں کو دھکیلنے لگی۔ بشریٰ بھی بھاگتی آئی۔

"ہم نے لڑکیاں ونی کروائی ہیں کوئی تعلق داری نہیں جوڑی تم لوگوں سے کہ جس کا دل چاہے وہ ہمارے زخم ادھیڑنے چلا آئے۔ اس لڑکے سے صرف ڈھائی سال بڑا تھا جلال جسے تمہارے بھائیوں نے۔۔۔" یہ نگینہ خاتون کی آواز تھی۔ ملازموں کے ہاتھ پھر سے رواں ہو گئے۔ جیپ سے اترتا موسیٰ ناسمجھی سے حالات کو دیکھنے لگا۔ وہ بپھر گئی۔

"نہیں کیے یہ قتل ہمارے بھائیوں نے۔۔۔ اور کیسے بتائیں۔ دینے (دین محمد) چھوڑ بچے کو۔۔۔ میں نے کہا چھوڑ۔ اب کوئی ہاتھ لگا کے دکھائے اس کو۔ ہن میں دیکھتی ہوں تم کمیوں کی جرأت۔ لگاؤ ہتھ۔"

وہ شیرنی کی طرح غرائی۔ ملازم پیچھے ہٹے۔ موسیٰ خان مسکرایا۔ عرصے بعد اس نے چوہدرائن کو دیکھا تھا۔ جنت نے گڈو کو ساتھ لگایا، مگر اگلے ہی لمحے نگینہ خاتون نے اسے جھٹکے سے پیچھے کھینچا۔ پیچھے کھڑے موسیٰ پر نظر پڑتے ہی چادر اٹھائی، آنسو روکتی حویلی میں گھس گئی۔ پیچھے گڈو روتا ہوا حویلی سے نکلا تھا۔ اس کے کان میں ایک پیغام دیا گیا تھا جو آگے پہنچانا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس واقعے کی سزا جنت کو بھوکا رہنے کی صورت ملی۔ تین دن اس حویلی کے پتھریلے ٹھنڈے فرش پر بیٹھے اور تین راتیں گھاس پر کروٹیں بدلتے گزارے، مگر ہاتھ باندھ کے خان زادیوں سے معافی نامہ طلب نہ کیا۔ تیسرے دن جب خان کھانا کھا چکے تو صندلی نے سب سے پہلے جنت کی پلیٹ سجائی۔ پٹھانوں کے پسندیدہ موٹے ابلے ہوئے چاول اور بڑے گوشت کا قدرے پھیکا شوربا۔ جنت سے نوالہ نگلنا اتنا مشکل ہو گیا کہ ابکائی نے اس کے رونگٹے کھڑے کر دیے۔ گھٹنوں میں سر دیے وہ خود کو مضبوط رہنے کے اسباق پڑھاتی رہی کہ اک آواز آئی۔

"نہیں کھانا یہ سب۔۔۔ روٹی بناؤ فورا" ساتھ انڈہ بھی بنا دو اور روز روز یہ موٹے چاول بنانا بند کرو۔۔۔ ورنہ اگلے سال سے میں یہ اگانا ہی بند کر دوں گا۔" موسیٰ اس چوکور صحن میں اس کے سامنے کرسی سنبھال کے بیٹھا۔ ملازمہ جنت کے قریب کھٹ پٹ کرنے لگی، مگر وہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔ ارشاد نے بستر لگانے کو کہا۔۔۔ وہ اٹھ گئی۔ پھر صندلی بازو سے پکڑ کر ایک طرف لے گئی۔

"یہ لے۔۔۔ کھالے، چھوڑ گیا ہے تیرے لیے، ورنہ موٹے چاولوں پر مرتا ہے وہ۔۔۔" وہ جو لپک کر ٹرے تک گئی تھی رک گئی۔ آنکھیں بھیگ گئیں۔

Scanned with CamScanner

"اسے کہنا... جو محبتوں پر پلتے ہیں ناں پھر ہمدردی سے کچھ نہیں بنتا ان کا۔ ہمدردی چاٹ لیتی ہے محبتوں کے عادی کو..." ٹرے کو ہاتھ سے دھکیل کر وہ خود کو گھسیٹتی پچھواڑے کے گھاس پھوس کے کمرے میں لے گئی۔

رات کے کسی پہر بشریٰ چار ابلے بھٹے لائی تھی جو گل شیر سے اس کے لیے منگوائے تھے۔ پھر اس رات جنت دوسری بار اونچی آواز سے روئی۔

"اسے یہ کیوں لگا کہ میں بھوکی مرجاؤں گی... اسے یہ کیوں نہیں لگا کہ میری سانسیں تو اس کے "ہونے" سے چل رہی ہیں۔ جس جنت کو کسی نیکی کا ابدی اجر کہتا تھا پھر اس جنت کو خود کے لیے سزا کیوں کرلیا اس موسیٰ نے، جس کا ہر ظلم بھی میرے اندر سے اسے اکھاڑنے میں ناکام ہوجاتا ہے... کیوں؟" بے تحاشا رونے اور بھٹے کھانے کے بعد وہ بے سدھ سوئی تھی۔

بھوک محبت سے بھی بڑی حقیقت ہے۔

☼ ☼ ☼

چوہدری ظفر اور چوہدری طارق، اسلم جونیجو کے گوٹھ سے راتوں رات کہیں اور فرار ہوگئے... یہ خبر خانوں نے سنی اور تندور ہوگئے۔ مردوں کی اونچی آوازیں مردان خانے کی دیواروں سے باہر آئیں تو جنت نے شکر کا کلمہ پڑھا۔ موسیٰ خان نے جنت کو چوہدری دیوار میں پیوست کردیا۔

"اب دیکھ میں کیسے روندتا ہوں ان چوہدریوں کی لاشیں..."

"قتل نہیں کیے انہوں نے..." وہ بھی گوندھو گئی۔ خدیجہ نے دل شکستگی سے اپنے تعلیم یافتہ اور روشن خیال بیٹے کو دیکھا۔ وہ پشتو میں خدیجہ خاتون کو کچھ کہہ کر باہر نکل گیا۔ خدیجہ متوازن چلتی اس تک آئیں۔

"کچھ نہیں کہے گا "تمہارے" بھائیوں کو... کچھ کہنا ہوتا تو اپنا منصوبہ تمہیں کبھی نہ بتاتا۔ تمہیں بتایا ہی اس لیے تھا کہ تم انہیں چوکنا کردو... اس لیے پریشان مت ہو۔" دھیرے سے کہتی آگے بڑھ گئیں۔

☼ ☼ ☼

"نہ زرین... مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ایسی باتیں نہ کیا کر میرے ساتھ۔" کھڑکی کے آگے بچی لوہے کی گرل کو صاف کرتے جنت کے ہاتھ شمائل کی بے زار آواز پر ساکت ہوئے۔

"پگلی ہے تو... نگینہ چچی نے مہرماہ کو پورا تیار کر رکھا ہے... اس بار شاہ دل آیا نہیں اور انہوں نے پھنسایا نہیں... اور وہ پاگل ہے تیرے پیچھے۔ کیا فرق پڑتا ہے تایا زاد ہے ہمارا... بات کرنے میں کیا حرج ہے؟"

"فرق پڑتا ہے زرین... نامحرم، بذات خود بہت بڑا فرق ہوتا ہے، مگر ہم لڑکیوں کو یہ بات سمجھنے میں ہمیشہ دیر ہوجاتی ہے۔" شمائل کی آواز مضبوط تھی۔

"یہ محرم، نامحرم کیا ہے... محبت پاکیزہ ہونی چاہیے، باقی کسی بات سے فرق نہیں پڑتا۔"

"زرین! محبت کتنی ہی پاکیزہ کیوں نہ ہو... اسے معاشرتی سوالوں کا سامنا ہمیشہ رہا ہے... کیوں؟ ویسے بھی میری بہن، یہ پیار، محبت یہ سب سننے میں ہی اچھا لگتا ہے ورنہ اصل زندگی میں یہ محبت اور ذلت ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں... اگر شاہ دل جذبوں میں کھرا نکلا تو جیت لے گا مجھے، ورنہ میں اپنی راہ کیوں کھوٹی کرتی پھروں، جو لڑکیاں خود سے شہزادے ڈھونڈنے نکلتی ہیں ناں، ان کا نصیب محلوں کی خاک بننا ہی ہوتا ہے بس۔" زرین نے چپ سادھ لی، لیکن جنت کے اندر ایک شو سا مچ اٹھا۔ عدالت لگ گئی۔ دھڑا دھڑ دلائل اڈنے لگے۔ اس کی ساری زندگی کا "دھوکا" شمائل کے چند الفاظ نے "عیاں" کردیا۔

"اگر جنت فاطمہ چوہدری کا نصیب موسیٰ خان بنگش ہی لکھا جاچکا تھا تو پھر وہ کیوں اسی شخص کے لیے اتنا تردد کرتی رہی۔ کچھ نہ بھی کرتی تو مل تو جانا ہی تھا موسیٰ خان۔ وہ خود کو اتنا ارزاں نہ کرتی تو آج بشریٰ کی طرح "گھر والی" ہوتی۔ تو کیا غلط راہ چننے والیوں کے گھر نہیں ہوتے...؟ نہیں بالکل نہیں... بالکل بھی نہیں۔" وہ وہیں ڈھے گئی۔

☼ ☼ ☼

Scanned with CamScanner

سورج، زمین سے روٹھ کر دور جا کھڑا ہوا تو سرد ہوائیں سب کے بدن اپنی بے رخی سے ٹھٹھرا دینے کے درپے ہو گئیں۔ جنت نے موسیٰ کے لیے رونا چھوڑ دیا، مگر موسیٰ نے تو اسے دیکھنا تک چھوڑ دیا۔ وہ ہفتوں بعد حویلی کا رخ کرتا۔ کچھ دیر ٹھہرتا پھر واپس فصلوں پر چلا جاتا۔ محمود اللہ چوہدری کے کھیت اجڑ گئے، مگر ولایت خان بنگش کے کھیت سونا اگانے لگے۔ وہ دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹتا نہ تھکتا۔ یہ دیکھے بنا کہ ان فصلوں کو اپنا خون دیتا ان کا پوتا، ہولے ہولے ختم ہو رہا ہے۔ اس کی سونے سی چمکتی آنکھیں اب سردیوں کی دھند سے نبرد آزما، نڈھال پڑے سورج سی دکھتیں۔

جب کبھی لاشعوری طور پر وہ شازمین یا مہرماہ کے کپڑوں میں لپٹی زندہ لاش سی اپنی جنت کو دیکھتا تو دونوں سو نہ پاتا۔ جب وہ اپلے دھکاتی اور آنکھوں کی سرمئی لکیر سے آنسو پھلانگ کر باہر نکلتے تو وہ دو دن تک کوئی شے حلق سے نہ اتارتا۔ ملازموں کو پیٹ ڈالتا۔ اپنا آپ زخمی کر بیٹھتا۔ محبت کی طرف مائل ہونے لگتا تو جلال کا فریادی ہاتھ، ان دونوں کے درمیان آ کھڑا ہوتا۔ پھر اس ہاتھ سے جڑی نفرت اسے سب بھلا دیتی۔ اگر وہ جنت پہلے سی جنت نہ دکھتی۔ تو وہ موسیٰ بھی کوئی اور ہی تھا۔

وہ جو کچے نالے پر چارپائی ڈالے، آم کے درخت تلے، برف بن جانے کی چاہ میں پچھلے دو گھنٹوں سے بیٹھا تھا، دل کے غیر معمولی ہونے پر اٹھ گیا۔ ہرمن سنگھ ٹماٹروں کی گوڈی کرتا، "ایک پھل موتیے دا مار کے" گنگنا رہا تھا سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔

"میں ذرا حویلی تک ہو آؤں۔ شادا آ گیا تو دو پیٹی کینو دے دینا۔" وہ معمول سے ذرا زیادہ تیزی دکھا رہا تھا۔ جیپ کے چلانے میں بھی۔ نہر کے قریب چوہدری سیراز سے سامنا ہو گیا۔ اس نے سر ہلا کر موسیٰ کو سلام کیا۔ پھر زہر خند سا کچھ بڑبڑایا۔

"اس کے تو وارے نیارے ہو گئے ان دنوں۔ چوہدریوں کی جاگیر کا بیٹھے بٹھائے وارث بن گیا۔"

موسیٰ نے بے ساختہ یہ بات سوچی پھر سر جھٹک کر رفتار مزید بڑھا دی۔

حویلی کا صحن سنسان پڑا تھا۔ وہ نظر گھما کے اسے ڈھونڈتا رہا۔ دریچوں، دیوانوں، برآمدوں۔ کچھ نہ ملا۔ ماں کے کمرے میں گیا۔ رنگ فق تھا۔

"جنت۔ جنت کدھر ہے؟" خدیجہ حیران ہوئیں۔ کچھ کہنے کو منہ کھولا، مگر وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ وہ بھی پیچھے ہی لپکیں۔ وہ تقریباً" دوڑتا ہوا پچھلے صحن میں گیا۔ مجمع میں نظر دوڑائی۔ کراہیں اور چیخیں۔ موسیٰ کا سانس تک ساکت ہو گیا۔ گل باز نے اسے چوٹی سے تھام کر کنویں میں لٹکا رکھا تھا۔ یوں کہ نیلا کر دینے والی سردی میں اس کے پاؤں برف ہوئے پانی میں تھے۔ دو مینڈک اس کے پائنچے میں لٹک رہے تھے کیوں وہ کنواں تقریباً" خشک ہونے کے قریب تھا۔ وہ تکلیف اور خوف سے چیخ مار کر بے دم ہو جاتی۔ موسیٰ کچھ بھی سوچ سکتا تھا، مگر اتنا ظلم نہیں۔ وہ گھٹنوں پر ویسے ہی جھکا جیسے جلال کے مرنے پر جھکا تھا۔ رکوع کی حالت میں جھکتے ہی اسے لگا جیسے جلال چلا گیا تھا ویسے جنت بھی۔ آنکھیں لہو رنگ ہو گئیں۔ خدیجہ نے زور زور سے پشتو میں گل باز کو روکا، مگر موسیٰ۔ ولایت خان بنگش کی طرف بڑھا جو کرسی پر جمے سب دیکھ رہے تھے۔ خواتین نے پلو دانتوں تلے دبا رکھے تھے۔ دو ملازماؤں نے بشریٰ کو تھام رکھا تھا، مگر بے بس تھیں۔ وہ حویلی میں ایک اور تیر کا اضافہ کرنے والی تھی۔ ضمیر لالہ نے ولایت خان کی طرف بڑھتے موسیٰ کو دیکھ کر کہنا چاہا۔

"یہ لڑکی۔ اس نے بھگایا ان چوہوں کو جو نیچو کے بل سے۔ یہ لڑکی۔" موسیٰ نے خاموشی سے ولایت خان کی سنگلاخ سی لاٹھی اٹھالی۔

"موسیٰ!" خدیجہ آگے بڑھیں۔ خواتین حق دق۔

وہ کنویں کی منڈیر پر جھکا جنت کا بازو تھام رہا تھا۔

گل باز نے چوٹی نہ چھوڑی وہ نیلی ہوئی بے جان تھی۔

موسیٰ نے چادر اوڑھائی۔ گل باز نے موسیٰ کو دھکیلا ولایت خان کی لاٹھی نے برسنا شروع کر دیا۔ پٹھان گالی

Scanned with CamScanner

نہیں دیتا' نہ ہی قسم کھاتا ہے' مگر موسیٰ نے اسے ہر گالی دی اور قسم اٹھا اٹھا کر دی۔ ضمیر اور گلزار آگے بڑھے تو وہ مزید بپھر گیا۔ گل باز کا پورا جسم جیسے مفلوج ہو گیا۔ ہونٹ نیلے پڑ گئے' مگر موسیٰ نہ تھما جب تھک گیا تو ولایت خان کو دیکھا۔

"آپ کی خود غرضی نے مجھے یہ بنا دیا۔۔۔ ماں' بہن کے سامنے' ماں' بہن کی گالی دینے والا۔ اک چھوٹی سی بات کے لیے' ہتھیار اٹھا لینے والا۔ چھوٹی سی بات۔۔۔ صرف یہی کہ اس لڑکی کا پیچھا چھوڑ دیں۔ اس کی دشمنی مجھ سے ہے۔۔۔ لڑنے کا حق صرف میرا ہے۔ گل باز کیا اس گھر کا کوئی بھی فرد اس کو ٹیڑھی آنکھ سے دیکھنے کا حق بھی نہیں رکھتا۔۔۔ تو پھر اتنی چھوٹی سی بات سمجھ میں کیوں نہیں آتی۔ چھوڑ تو دیا ہے اسے۔ پھر کیوں ساری حویلی والے اس لڑکی کی چھوٹی سی خطا معاف کرنے کو تیار نہیں۔۔۔" وہ گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ "اگر آج کے بعد کسی نے اسے سخت نظر سے دیکھا بھی تو قسم ہے مجھے ولایت خان بنگش کے نسب کی۔۔۔ میں اس کا فیصلہ بندوق سے کروں گا۔"

ہاں وہ اتنی ہی فیصلہ کن شخصیت رکھتا تھا۔ اس حویلی کے کچھ عیاش مردوں کو تو اپنی فصلوں کی ترتیب بھی یاد نہ تھی۔ کس موسم میں کیا کاشت کیا جاتا ہے کسی کو صحیح معلوم نہ تھا۔۔۔ تو ایسے میں موسیٰ خان کسی کی گردن بھی دبا دیتا تو وہ اسے اس کی محبت ہی سمجھتا۔ وہ سانس درست کرتا جنت تک گیا۔ بشریٰ اس سے لپٹ رہی تھی۔ وہ اس پر جھکا۔ دل چاہا سب کچھ بھول جائے اور جنت کے کندھے پر سر رکھ کے بچوں کی طرح روئے۔ اسے بتائے کہ اس کی روح میں تذبذب کی سوئیاں گڑی ہیں۔ وہ ایسا بدقسمت ہے کہ سامنے کھڑی منزل کو دیکھ کر خوش بھی نہ ہو پایا تھا کہ واپسی کا حکم مل گیا۔ وہ اسے بتائے۔۔۔ اسے بتائے کہ موسیٰ جنت کو کبھی چھوڑ ہی نہیں سکتا۔

وہ اس کے گال تھپتھپا رہا تھا' مگر جنت کی بات نے اسے پھر مخالف ہواؤں میں دھکیل دیا۔

"پیچھے ہٹو بزدل۔۔۔ جلال مقتول کے بھائی بنو۔"

نفرت سے کہتی وہ اسے ہاتھ سے پیچھے کر رہی تھی۔ وہ دو قدم پیچھے ہٹا پھر تیزی سے دور ہوتا گیا۔ شاید ان کا نصیب ہی یہ تھا۔

"کیوں کیا ایسا؟ کیسی چاہ سے بڑھا تھا وہ تمہاری طرف۔۔۔ پھر کیوں خان کو واپس کر دیا؟" بشریٰ کا ملال نہ جاتا۔

"تو یہ کہہ سکتی ہے بشریٰ۔۔۔ کیونکہ تو نے صرف "بٹا" ہوا موسیٰ ہی دیکھا ہے۔۔۔ "مکمل" تو میں نے دیکھا ہے اسے۔۔۔ یہ صرف وقتی جذبہ تھا بشریٰ' کل کو اسے پھر سے جلال ظمیر خان یاد آجاتا اور وہ پھر سے دور چلا جاتا۔۔۔ مگر پھر میں یہ سب برداشت نہ کر پاتی۔ ویسے بھی میں کیوں ایک دبی ہوئی لاش بن کر ساری عمر اسے پوجتی رہوں اور میں کیوں نہ اس وقت کا انتظار کروں جب وہ "سچائی" کو پا کر میری طرف بڑھے گا۔ جب چودی (چوبیس) گاؤں دیکھیں کہ میں ہوں موسیٰ خان کی سلطنت کی ملکہ۔۔۔ اتنے بڑے سنگھاسن کے لیے یہ قربانی تو بہت چھوٹی ہے۔ مکمل موسیٰ کو پانے کے لیے یہ آگ کا دریا تو بہت کم تر ہے۔ تم نے اسے "مکمل" نہیں دیکھا ناں۔۔۔"

☆ ☆ ☆

اگلی صبح جب وہ معمول کے مطابق تندور میں اپلوں کو ترتیب دے رہی تھی تب حویلی میں دبا دبا سا ہنگامہ اٹھا۔ مرد زور زور سے دروازے بند کرتے حویلی سے نکلے۔ عورتیں زنان خانے میں جمع چہ مگوئیاں کرنے لگیں۔ بشریٰ لپک جھپک اس تک پہنچی۔

"وہ۔۔۔ وہ موسیٰ کہیں چلا گیا۔" جنت کے ہاتھ تھمے۔

"مطلب؟" تیوری پر بل پڑے۔

"مطلب جب کل ادھر سے گیا تو پتا نہیں کہاں چلا گیا۔ رات بھی ڈیرے پر نہیں آیا۔ صبح سے سارے کامے ڈھونڈ ڈھونڈ کے تھک گئے۔ وہ سچ میں کہیں چلا گیا ہے۔"

"آجائے گا۔۔۔ کل جو ہنگامہ ہوا' اس کے بعد سوچا

ہوگا کچھ دن ان لوگوں کی شکل نہ ہی دیکھے۔ کچھ دنوں میں آجائے گا۔" اتنی مطمئن نہ تھی جتنا ظاہر کررہی تھی۔ جنت کو سب کی نظریں چھیدتی محسوس ہورہی تھیں۔

"نیلماں سچ کہتی تھی۔ تیری محبت بڑی خودغرض ہے جنت فاطمہ۔ تو نے ایک بار بھی نہیں سوچا کہ وہ کس قیامت کو پار کرکے تیرے تک آیا تھا کل شام۔ ہونہہ۔ مگر تجھے کیا۔ تجھے تو وہ "مکمل" چاہیے۔"

جنت نے بے یقینی سے بشریٰ کو دیکھا جو احتیاط سے قدم دھرتی برآمدے میں چلی گئی۔

"اللہ کوئی راہ دکھادے۔ وہ روشنی جو چھپی ہے اسے ظاہر کردے۔" وہ دل سے دعا مانگتی رہی۔

☼ ☼ ☼

جب حویلی سے نکلے پانچواں ہفتہ ہوگیا تو اس نے سوچا کہ اب کوہاٹ چلا جائے مگر اسفندیار نے یہ کہہ کر روک لیا کہ وہ اس کی شادی میں شرکت کے بعد ہی کہیں جاسکے گا۔ وہ رک گیا۔ ویسے بھی وہ کاہلی کو خود پر جی بھر کر طاری کرنا چاہتا تھا۔

شادی کے مخصوص ہنگامے بھی اس کے سوئے جذبات کو نہ جگاسکے۔ مہندی کی رات اس نے چوہدری شیراز کو نشے میں دھت ڈھول کی تھاپ پر ڈولتے دیکھا تو اپنا وطن یاد آگیا۔ چوہدری شیراز تب تک ناچتا رہا جب تک گر نہ گیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے نوٹوں کی گڈیاں ہوا میں اچھالتا اور سردائیں بائیں مستی سے ہلاتا۔ جب سب اپنے بستروں میں چلے گئے تو وہ ہولے ہولے چلتا چوہدری شیراز تک گیا۔

"بڑا پیسے والا ہوگیا ہے چوہدری۔ لگتا ہے دبئی میں نوٹ چھاپنے کا کارخانہ لگایا تھا۔" اس کے قریب بیٹھ گیا۔ سر دیوار سے ٹکالیا۔

"اونہیں، نہیں۔ کیسا کارخانہ بادشاہو۔ یہ تو بس محموداللہ چوہدری کی بے وقوف اولاد کی نظر کرم اے۔" وہ بہکی آواز میں بولا۔

"چل تیرے تو عیش ہوگئے چوہدری۔ ہے ناں؟"

"او کھتے عیش بابو۔ عیش تے تب سی جب وہ کجری آنکھوں والی ملتی۔ آہاہ۔ کیا اکھ (آنکھ) بنائی ہے رب نے سرمہ لگاکے۔" وہ سیدھا ہوا چوہدری شیراز واقعی کچھ زیادہ ہی مست ہوگیا تھا۔

"کی فائدہ ان خالی کاغذوں کا۔ ابا جی کو کہا وی تھا پر انہیں تو صرف زمینیں اور کالی و بھوری نظر آرہی تھیں۔ بولے ابھی تو یہ سنبھال، کل کو دو اور مار کر خانوں کے، یہ کڑی وی اٹھالیں گے۔ چلو جی۔" وہ اور بھی کچھ کہہ رہا تھا مگر موسیٰ وہیں اٹک گیا۔

"قتل نہیں کیے میرے بھائیوں نے۔" ایک آواز گونجی۔

"چوہدریوں کو قتلوں کا کیا فائدہ ہوا۔" سوال اٹھا۔

"ہم نے پانی نہ توڑا تھا۔ اس گل کا نیاہ (حلف) وی دے سکتے ہیں۔" موسیٰ نے گھومتے سر سے فیصلہ کن انداز میں چوہدری شیراز کو دیکھا۔

☼ ☼ ☼

خانوں کو جیسے کوئی سرراہ لوٹ گیا۔ وہ یوں چپ ہوئے جیسے بھری چوپال میں کسی نے ان کے منہ پر طمانچہ دے مارا ہو۔ جنت ان کے تیوروں سے کچھ پریشان ہوئی۔ اس کے لوٹ آنے کی دعائیں مانگتی۔ اتنی بے رونق تو وہ ان کے ظلم سہ کے نہ ہوئی تھی جتنی وہ "اس" کے نظروں سے اوجھل ہوجانے پر ہوئی۔ دعائیں سانسوں کی صورت اس سے جڑ گئیں۔ سارے ہولے ہولے اسے ختم ہوتا دیکھتے حیران ہوتے۔

اس رات بے تحاشا بادل برسا۔ پانی نے سارا کہر دھودیا۔ وہ اپنے بستر میں دبکی، کچی پکی نیند میں تھی جب اس کا پاؤں ہلایا گیا۔ وہ چونک کر اٹھی۔

"جسے تو نے سرکنڈوں میں چھپتے دیکھا تھا۔ وہ کون تھا؟" وہ بچوں کے بل بیٹھا، پوچھ رہا تھا۔ وہ جلدی سے دوپٹہ ڈھونڈنے لگی۔

"کچھ پوچھا ہے؟" وہ عالم بے یقینی میں اسے دیکھ رہی تھی۔

Scanned with CamScanner

"کھانے کو کچھ لاؤں؟"

"جو پوچھا ہے وہ بتادے بس۔۔۔" وہ تڑخا۔

"کیا پوچھا تھا؟" بے وقوفی کی انتہا۔

"ہمارا پانی کس نے توڑا تھا؟"

"اب کیا فائدہ۔۔۔ سب تباہی کی حد تک بدل گیا۔" وہ ڈھے جانے والے انداز میں زمین پر بیٹھا۔ خاموشی کے وقفے کے بعد خود ہی بولی۔

"چوہدری شیراز کو دیکھا تھا اس روز۔۔۔ پہچانا اس روز جب دو قتل مزید ہوگئے۔۔۔ اس دشمنی کے نام۔۔۔ مجھے مہلت ہی نہیں ملی۔۔۔ مہلت سے زیادہ اعتماد۔ سب گولیاں شمار کرتے رہے۔۔۔ اندھی دشمنی کو روز محشر تک طول دینے میں تیزی دکھاتے رہے۔۔۔ کھانا لاؤں۔"

وہ اسے گھور کر اٹھ گیا۔ جنت اطمینان سے لیٹ گئی۔۔۔ خوشیاں محدود بھی ہو جاتی ہیں۔ اطمینان کا معیار بھی بدل جاتا ہے۔۔۔؟ ہاں شدید حالات سے دوچار لوگوں کے لیے اکثر ایسا ہو جاتا ہے۔

اگلی صبح بشریٰ نے اسے جھنجوڑا۔

"موسیٰ تے ٹھیک ہے؟" ہڑبڑا کے بولی۔

"ہاں اوتے ٹھیک ہے مگر۔۔۔ چوہدری شیراز قتل ہوگیا ہے گل باز دے ہتھوں (ہاتھوں)۔ سارے رام پور کے سامنے لاش چوہدری یعقوب کی حویلی میں پھینک کے آیا ہے گل باز۔ ارشاد کہہ رہی ہے جلال اور سرمد کے علاوہ نگینہ خاتون کا شوہر بھی اس نے قتل کیا اور تو اور۔۔۔ پانی بھی اس نے توڑا تھا۔ ہماری زمینوں پر قبضہ چاہتے تھے۔ جانتے جو تھے کہ دو جوان ہیں ہماری نسل میں۔۔۔ خان ماردیں گے تو زمینیں خود بخود ان کو مل جائیں گی۔ اوتے شکر ہے موسیٰ کے سامنے بک گیا' نشے کی حالت وچ۔۔۔ ہائے جنتے! اٹھ کے دیکھ ہمارے تو نصیب ہی پلٹ گئے۔ وڈے خان بارہ پنڈوں کی پنچایت بلا رہے ہیں۔۔۔ لگتا ہے صلح ہو ہی جائے گی۔" وہ حق دق' بشریٰ کو یک ٹک دیکھے گئی۔ کیا وہ خواب دیکھ رہی تھی۔۔۔؟

☆ ☆ ☆

قدرت نے رام پور کے گرد و نواح ۔ میں حیرانی پھیر دی۔ بھلا ایسا بھی ہوتا ہے۔۔۔؟ ساری عمر بے سمت گولیاں چلائی جاسکتی ہیں۔۔۔؟ کوئی اتنا کائیاں کیسے ہو سکتا ہے؟ اور مقابل اتنا عقل کا اندھا؟ حیرانی در حیرانی۔۔۔

چوہدری اور بنگش اپنی ساری طراری اور دلیری بھول بیٹھے۔ چوہدری یعقوب فرار ہوگیا۔ اس کے بھائی پسپا۔۔۔ قصاص دینے کا فیصلہ کرلیا۔ تقریباً" دو دہائیوں پر مشتمل یہ دشمنی' ان دو خاندانوں کی کمر توڑ گئی۔

بڑی پنچایت لگی۔ محمود اللہ چوہدری نے اپنے بچپن کے اکلوتے دوست ولایت خان بنگش کو بنا کسی حساب کتاب کے گلے لگا لیا۔ چوہدری یعقوب کے خاندان کو تاعمر علاقہ بدر کردیا۔ زمینیں قصاص کے طور پر رکھ لیں۔ سارے علاقے سے بارود کی بو ناپید ہونے لگی۔ ظفر اور طارق بھی واپس وطن کو لوٹ آئے۔

موسیٰ خان بنگش اپنے آپ کو کوستے نہ تھکتا ۔ اگر پہلے جنت کی سن لیتا۔۔۔ اب کیسے "واپس" لوٹوں؟ چوہدرائن سے کیا بھید۔۔۔ ساری عمر یہ طعنہ دے۔ وہ پنچایت کے بعد سے حویلی نہ گیا۔ سارے علاقے کو روندتا اس کا سیاہ گھوڑا' نڈھال ہوگیا۔ رات گئے حویلی آیا۔ خان مطمئن بیٹھے قہوہ پیتے جاتے اور پرانے قصے دہراتے جاتے۔

"خان کھانا لاؤں؟" صندلی نے جھک کر پوچھا۔

"نشتہ!" غصے اور غم میں وہ پشتو ہی بولتا۔ ورنہ پنجاب میں رہتے ہوئے وہ سب آدھے سے زیادہ پنجابی ہو چکے تھے۔ وہ گل باز کی وجہ سے مردوں کے ساتھ نہ بیٹھا۔ حالانکہ گل باز کئی بار معافی مانگ چکا تھا' مگر موسیٰ کے دل سے جیسے وہ کسک ہٹتی ہی نہ تھی۔ وہ دادی کے پاس آبیٹھا۔ جنت کہیں نہ تھی۔ بشریٰ' شازمین کے کمرے سے نکل رہی تھی۔

"آج سارا دن حویلی نہیں آیا میرا شیر؟" بی بی جان نے بال سنوارے۔

"جانے کیوں۔۔۔؟ بس اک شرمندگی سی تھی۔ دل

Scanned with CamScanner

اٹک اٹک جاتا۔ کیسے پل بھر میں مٹا ہے سب کچھ' ہماری زندگیوں سے۔ تقدیر نے کیسا ٹھٹھا لگایا ہے ہمارا۔"

"توبا قیوں کی طرح کیوں نہیں سوچتا موسیٰ خان۔"

"نہیں سوچ سکتا بی بی جان۔۔۔ اس دشمنی سے میرا تعلق ہی "الگ" تھا۔"

"وہ چلی گئی۔۔۔ اپنے میاں جی کے ساتھ۔ وہ آئے تھے آج دوپہر۔ دونوں کو چلنے کو کہا۔ بشریٰ نہ مانی۔۔۔ ظاہر سی بات ہے اس کے پاس تو جواز ہے رکنے کا' مگر۔۔۔ جنت چلی گئی۔ خدیجہ نے روکا تھا۔۔۔ بولی' دل نہیں مانتا۔۔۔ رہ بھی گئی تو کبھی خوش نہ رہ پاؤں گی۔۔۔ میں سمجھوتے کرنے والی ہوتی تو سوتیلی ماں سے کرلیتی۔۔۔ کم از کم گھر والی تو ہوتی۔۔۔ کوئی بد نصیب تو نہ کہتا اور نہ ہی۔۔۔ "سزا"۔" وہ حق دق سنتا رہا۔ تو گویا جنت نے موسیٰ کو "چھوڑ" دیا۔

☼ ☼ ☼

پیپل کی چھاؤں تلے پھر سے محفلیں جمنے لگی تھیں۔ جنت خالی خالی سا سب کو دیکھے جاتی۔ زندگی کا سب سے بڑا جوا کھیلا تھا اس نے حویلی واپس آکر۔ صرف ایک مقصد کے لیے۔۔۔ اگر جیت گئی تو سر اٹھا کر رہے گی ہمیشہ' ہار گئی تو اسی حویلی میں مٹی ہو جائے گی۔ بڑی مامی سرد سا دیکھتیں' مگر چپ رہتیں۔ اگر بیٹے کو رد کرنے والی وہ تھی تو بیٹے کو قبر سے بچانے والی بھی وہی تھی۔ ظفر پا جی کو دیکھ کر راستہ بدل لیتی اور طارق اسے دیکھ کر۔۔۔ میاں جی بہانے بہانے سے ساتھ لگاتے' پاس بٹھائے رکھتے اور وہ جو "کچھ دن" کے لیے آئی تھی ڈیڑھ مہینے سے بھٹکتی پھرتی تھی۔

ابھی بھی پیپل تلے سب نیلماں کے ساتھ ساتھ بشریٰ اور اس کے جہیز کا حساب کتاب لگانے بیٹھے تھے۔ وہ چارپائی کی پائنتی پر بیٹھی اپنے ناخن کھرچ رہی تھی۔ کنیزاں بھاگتی آئی۔

"چوہدری جی۔۔۔ چوہدری جی وہ موسیٰ خان آیا ہے پھاٹک پہ۔"

"او کم عقلے' ادھر بھاگی آئی ہے' پہلے مردان خانے میں بٹھانا تھا اسے۔"

"نہیں' ضرورت نہیں۔۔۔" جنت قطعیت سے بولی۔ "پوچھو اس سے' کیا چاہیے۔"

سب نے اس کی اٹھی گردن کو دیکھا اور بھاؤ تاؤ والے انداز کو بھی۔ میاں جی متامل ہوئے تو بولی۔

"بے فکر رہیں میاں جی۔۔۔ کبھی نہیں چھوڑے گا مجھے۔ چاہے ایک ٹانگ پر کھڑا کروالو۔" بڑی مامی قہر آلود سا مسکرائیں۔ وہ ان سے بھی زیادہ قہر آلود ہوئی۔ سب کو سانپ سونگھ گیا۔ کنیزاں واپس بھاگی۔ وہ گنتی گننے لگی۔ انیس ہونے سے پہلے لوٹی۔

"کہتا ہے جنت چاہیے۔ واپس حویلی چلے اس کے ساتھ۔" جنت کی گردن مزید تنی۔ ترچھی نظروں سے مامی کو دیکھا۔

"کہو۔۔۔ جنت تب تک نہ آئے گی جب تک قبرستان والا برگد کا جنگل سبز ہے۔ اسے تاریک کردے اور لے جائے جنت کو۔" سارے حیران ہو گئے۔ وہ جنگل کئی ایکڑوں تک پھیلا تھا۔ اسے تاریک کرنا۔۔۔ ناممکن۔ پھوپھا گل ہی ہوئی ناں۔ کنیزاں واپس آئی۔

"کہتا ہے خان ذا' زار شم۔" جنت کے لب اندر کو دھنسے۔ سر خم کرکے آگے بڑھ گئی۔ جب مامی نے سب ملازماؤں کے سامنے اس کے خود ساختہ قصے فراٹے سے سنا ہی رکھے تھے تو پھر وہ کیوں شرماتی اور ویسے بھی اب تو شرعی رشتہ تھا ان دونوں میں۔

بات سارے علاقے میں پھیل گئی۔ ونی ہوئی لڑکی کا اتنا سنگین مطالبہ۔۔۔ بھلا برگد کا جنگل کیسے تاریک ہو سکتا تھا؟ موسیٰ خان نے کلہاڑا پکڑ لیا تو جیسے کسی نے بارود کو تیلی دکھا دی۔ ہر چوک' ہر نکڑ' چوپال' بیٹھک' غرض ہر قسم اور ہر طرح کے مجمع میں یہی بات زیر بحث آنے لگی۔ کئی منچلوں نے شرطیں لگائیں۔ پھیلتے پھیلتے بات کئی گاؤں اور قصبوں کو پھلانگ گئی۔

دونوں خاندان اس بار خاموش تماشائی بنے نتیجے پر نگاہیں گاڑے بیٹھے تھے۔ ایک ماہ میں دن کے بائیس

Scanned with CamScanner

گھنٹے اس مرد کے ہاتھ چلے۔ برگد جیسا درخت' دشمنی پر اتر آیا۔ وہ چھٹے دن مڑ کے صاف کیے گئے حصے کو دیکھتا تو وہ پھر سے سبز ہو چکا ہوتا۔ ہر من سارا دن سر ہاتھوں میں گرائے' برگد کی گرتی ٹہنیاں دیکھتا رہتا۔ اس کا دل شدت سے چاہتا کہ کاش۔۔۔ کاش وہ جنت فاطمہ چوہدری ہوتا۔

سارے بنگش بے نتھے بیلوں کی طرح بھاگتے پھرتے' مگر الجھاؤ کا سرا نہ ملتا۔۔۔ جاگیر کا نظام تلپٹ ہوا جاتا۔۔۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ۔ ہولے ہولے لوگ اس کامنی سی لڑکی کا مقصد سمجھنے لگے۔ وہ اپنا اور اپنے شوہر کا مقام لکیر کھینچ کے واضح کرنا چاہتی تھی۔ ایک دبی ہوئی لڑکی سب کو بتانا چاہتی تھی کہ ڈور کس حد تک اس کے ہاتھ میں ہے' مگر اس کے علاوہ وہ ایک اور بات بھی چاہتی تھی جو صرف "تعمیل" کرتے اس شخص کو ہی معلوم تھی۔

☆ ☆ ☆

ڈھائی مہینے بعد وہ جھلسی رنگت' پھٹی ایڑیوں اور چھالے زدہ ہاتھوں سمیت پکی حویلی کا پھاٹک کھٹکھٹا رہا تھا۔ محلے والے دستک کی للکار سے باہر نکل آئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے مجمع سا لگ گیا۔ گویا شرط پوری ہو گئی۔۔۔! سارے رام پور اور اس کے اطراف میں کھلبلی سی مچ گئی۔ کھیتوں میں کام کرتے لوگ' درانتیاں پھینک کر بھاگتے آئے۔ موسیٰ خان کا گھوڑا اس کی ٹانگوں پر سر مارنے لگا۔ وہ رش سے ہمیشہ ڈرتا تھا۔ دستک میں مزید جارحانہ پن اترا' مگر حویلی والے مجمع سے متاثر ہوئے لگتے تھے۔ کافی دیر بعد پھاٹک کھلا۔ کنیزاں سامنے آئی۔

"بول جا کے بی بی کو۔۔۔ برگد ہو گیا تاریک۔ اب باہر آجائے۔" وہ خفا خفا سا نظر آرہا تھا۔ کنیزاں واپس مڑ گئی۔ لوٹی تو بولی۔

"کہتی ہے رات کو میاں جی بات کرلیں گے۔۔۔ فی الحال جنت نہیں' یہ رکھو۔" اس نے ہاتھ میں تھامی مرہم آگے کردی۔ اس نے دہلیز تھامی۔۔۔ ضبط کیا گویا۔

"کہو چوہدرائن بنے۔۔۔ آکے خود بات کرے مجھ سے۔" لوگ ٹانگوں پر اپنا وزن بدلتے رہے۔ "ہاتھ ہو گیا بنگش کے ساتھ" سب کی متفقہ رائے۔ خانوں نے پھر سے دشمنی بنالینی ہے چوہدریوں سے۔۔۔ پیش گوئیاں۔ وہ کسی عظیم سلطنت کی ملکہ جیسی تمکنت سے چلتی اوٹ میں کھڑی ہو گئی۔ ڈھائی ماہ میں اس کا سنہرا پن بڑھ گیا تھا۔ سیاہ لباس میں وہ بادلوں میں گھرے سورج سی دکھ رہی تھی۔ وہ مسکرایا۔

"یہ کیا ہے؟" اشارہ' مریم کی طرف تھا۔

"تمہیں اسی میں خوش ہو جانا چاہیے۔ کم از کم یہ تمہارے لیے سزا' تو نہیں ہے۔" جتاتا ہوا سرد لہجہ۔۔۔ وہ چونک گیا۔ بغور اسے دیکھا۔ وہ ڈٹ کے کھڑی رہی۔۔۔ لو اکھاڑ لو جو اکھاڑ سکتے ہو۔۔۔ ہم نہیں جاتے۔

موسیٰ نے لگام جھٹکی' گھوڑا سیدھا ہوا۔ جست لگا کر گھوڑے پر بیٹھا۔ لوگوں میں مایوسی اتری۔۔۔ آہاہ' دیہاتیوں کی تفریح۔ اگلے ہی پل ہجوم میں دبی دبی پرجوش چیخیں بلند ہوئیں کیونکہ وہ مغرور چوہدرائن ہوا میں معلق گھوڑے کے ساتھ جا رہی تھی۔ اس کا دایاں بازو' چھالے زدہ ہاتھوں میں تھا اور وہ بھاگتے گھوڑے کے سموں سے اٹھتے خوفناک گرد میں منہ دیے چیخ رہی تھی۔ ہجوم نے خوشی سے تالیاں پیٹیں اور خبر تھامے مختلف سمتوں کو بڑھ گئے۔

☆ ☆ ☆

نہر کے سنگ چلتی آم کے درختوں میں گھری سڑک پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ گھوڑے کے قدموں میں لگامیں کھینچ کر سستی لائی گئی۔ پھر ہاتھ میں موجود سنہری گڑیا کو سامنے بٹھایا گیا۔

"اللہ کرے تو رنڈوا ہو جائے موسیٰ خان۔۔۔" وہ تڑخ تڑخ جاتی۔ سامنے بیٹھا قہقہہ لگاتا مرد زندگی سے بھی پیارا نہ ہوتا تو یقیناً "نہر میں کود کر مرنے کی کوشش بھی کی جاتی۔

"اف ف ف۔۔۔ اتنی بے عزتی۔" ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپا۔

Scanned with CamScanner

"بے عزتی۔۔۔؟ خود ہی تو کہا تھا کہ چھودی (چوبیس) گاؤں دیکھیں۔"

"ہاں تے وہ میں نے جنج (بارات) لانے کو کہا تھا۔" آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔

"وہ تو سب کرتے ہیں۔۔۔ مطلب جنج تے نائی کی بٹی کی بھی آئی تھی۔۔۔ اس میں نیا تو کچھ نہ تھا۔ پھر شرط بھی تو ظالمانہ تھی۔ بس ذرا دماغ گھوم گیا پٹھان کا۔" وہ مطمئن ہی تھا۔

"تو جانتا ہے وہ شرط کیوں رکھی۔" آنکھیں باقاعدہ برسنے لگیں۔ وہ ڈھیلا پڑ گیا۔ سخت تکلیف دیتے ہاتھوں سے اس کے ہاتھ تھامے گھوڑا چہل قدمی کے انداز میں ہولے ہولے چلتا۔

"چل مان لیا زمانے نے تجھے بھی اور مجھے بھی۔ یہ بھی جان لیا کہ تو ونی ہوئی بھیڑ بکری نہیں ہے۔۔۔ ملکہ ہے میری سلطنت کی۔ تیری ماں میری تائی سب نے جان لیا۔ طارق چوہدری، گل باز نے بھی مان لیا کہ میں تیرے لیے برگد ہی نہیں گلا بھی کاٹ سکتا ہوں پھر کیوں نہ آئی تو میرے کہنے پر؟"

"میاں جی رخصت کرنا چاہتے تھے مجھے نیلماں، شیریں کی طرح۔" آنسو پونچھے۔

"تو ہونا چاہتی تھی؟" وہ یک ٹک اسے دیکھے گئی۔

"تجھے نہیں لگتا میری گردن کی اکڑ نکل جاتی ہے اس حویلی میں۔"

"اور تجھے یہ کیوں لگا کہ میں تجھے وہاں لے کے جاؤں گا؟ اب مزید نہیں جنت میں صرف زندہ نہیں رہنا چاہتا۔۔۔ میں جینا بھی چاہتا ہوں۔ ہم کوہاٹ ہی جائیں گے، مورے چلی گئی شمائل بھی۔۔۔ اب ہم جائیں گے۔" وہ لگام تھامنے لگا۔ جنت رک گئی ہاتھ سامنے کیے۔

"بہت مشکل ہو گیا تھا ناں۔"

"اس وقت سے کم مشکل جب تو نے دیکھنا بھی چھوڑ دیا تھا مجھے۔" "ہوں۔۔۔" وہ دلگیر لہجے میں بولی۔۔۔ "حالانکہ دیکھنا تو اب چھوڑنا چاہیے جو تیرا حشر ہو گیا ہے۔" آخر میں وہ کھلکھلائی۔ موسیٰ نے غصہ ضبط کرتے ہوئے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اسے بازو سے پکڑ کر لٹکا دیا۔ اب ہنسنے کی باری موسیٰ خان کی تھی۔ حالانکہ کھلکھلاہٹیں تو نہر کی تہ تک میں تھیں۔۔۔ ان دونوں کے لیے۔

☼

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
بساط دل	آمنہ ریاض	500/-
زرد موسم	راحت جبیں	1000/-
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان	200/-
شہر دل کے دروازے	شازیہ چوہدری	500/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چوہدری	250/-
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا	450/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	500/-
بھول بھلیاں تیری گلیاں	فائزہ افتخار	600/-
پھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار	250/-
پگیاں پیچ وارے	فائزہ افتخار	300/-
من سے عورت	غزالہ عزیز	200/-
دل اسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی	350/-
بکھرنا جائیں خواب	آسیہ رزاقی	200/-
دم گھٹتا تھی سہاگ سے	فوزیہ یاسمین	250/-
اداس کا چاند	بشریٰ سعید	200/-
رنگ خوشبو ہوا بادل	افشاں آفریدی	500/-
درد کے فاصلے	رفعیہ جمیل	500/-
آج صحن پہ چاند نہیں	رفعیہ جمیل	200/-
درد کی منزل	رفعیہ جمیل	200/-
میرے دل میرے مسافر	تیم سحر قریشی	300/-

[redacted]

Scanned with CamScanner